قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بَلِّغُوْا عَنِّیْ وَلَوْ اٰیَةً (رواہ البخاری)

سلسلۂ تبلیغ
۶۰

بار اوّل
۳۳۰۰

وعظ

التہذیب ①

(اصلاحِ نفس کا طریقہ)

از افاداتؒ

حکیم الامت مجدد الملت حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی قدس سرہٗ

عنوانات و حواشی

مولانا خلیل احمد تھانوی

شعبۂ نشر و اشاعت

جامعہ دار العلوم الاسلامیہ کامران بلاک علامہ اقبال ٹاؤن لاہور ۱۸

فون کامران بلاک ۴۴۸۰۰۲۰-۵۴۲۲۲۱۳ پرانی انارکلی ۷۳۵۳۷۲۸

ربیع الاول ۱۴۲۰ھ جولائی ۱۹۹۹ء

التہذیب (۱)

یہ وعظ حضرت والاؒ نے ۲۹ شعبان سنہ ۱۳۳۲ھ کو جامع مسجد تھانہ بھون میں ساڑھے تین گھنٹے بیٹھ کر "صیام و قیام رمضان کا مجاہدہ معتد بہ ہونا" کے موضوع پر بیان فرمایا۔

اہل علم کا مجمع کم اور عوام کا زیادہ تھا سامعین کی تعداد تقریباً ۲۰۰ تھی۔ یہ وعظ نئی روشنی والوں کے لیے خاص طور سے نافع ہے۔

مولانا محمد عبداللہ گنگوہیؒ نے اسے قلم بند فرمایا۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمدللہ نحمدہ ونستعینہ و نستغفرہ ونؤمن بہ ونتوکل علیہ و نعوذ باللہ من شرور انفسنا و من سیئات اعمالنا من یھدہ اللہ فلا مضل لہ و من یضللہ فلا ھادی لہ و نشھد ان لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ و نشھد ان سیدنا محمدا عبدہ ورسولہ وصلی اللہ تعالی علیہ وعلی آلہ و اصحابہ وبارک وسلم.

اما بعد: فاعوذ باللہ من الشیطان الرجیم . بسم اللہ الرحمن الرحیم. قد افلح من زکھا و قد خاب من دسّھا[1].

((یقیناً وہ مراد کو پہنچا جس نے اس کو پاک کرلیا اور وہ نامراد ہوا جس نے اس کو دبادیا)

تزکیہ کی حقیقت

یہ دو آیتیں ہیں سورۃ والشمس کی ان آیتوں میں جناب باری تعالیٰ نے فضیلت بیان فرمائی ہے تزکیہ نفس کی اور مذمت[2] فرمائی ہے اس کے اہمال[3] کی اور تزکیہ نہ کرنے کی، تزکیہ چونکہ لفظ مشہور ہے اس لیے میں نے بھی لفظ تزکیہ ہی استعمال کیا تزکیہ لغت میں کہتے ہیں میل کچیل سے کسی شے کو صاف کرلینے کو اور یہ ظاہر ہے کہ جیسی شے ہوگی اسی طرح کا اس کا تزکیہ ہوگا۔ مثلاً

(۱) سورۃ الشمس آیت ۹، ۱۰ (۲) برائی بیان فرمائی (۳) اس کو بیکار چھوڑ دینے اور تزکیہ نہ کرنے کی

کپڑا یا برتن یا بدن اگر آلودہ نجاست و میل کچیل ہے[1] تو اس کا تزکیہ یہی ہے کہ پانی سے اس کی تطہیر و تنظیف[2] کر لی جاوے اور مکان میں اگر کوڑا کرکٹ جمع ہے تو اس کا تزکیہ یہ ہے کہ اس میں جھاڑو دی جائے غرض جس قسم کی شے ہے ویسا ہی اس کا تزکیہ ہوگا اور ظاہری گندگی سے پاک کرنا تزکیہ ظاہری ہوگا اور باطنی نجاست سے صفائی کرنا تزکیہ باطنی ہوگا۔

تزکیہ باطنی کی ضرورت

ہر چند کہ آیت میں معنی عام بھی لے سکتے ہیں لیکن چونکہ تزکیہ ظاہر کو سب جانتے ہیں اس لیے میں تزکیہ باطنی ہی کو ذکر کروں گا خواہ اس کو یہ سمجھا جاوے کہ مدلول آیت کا یہی ہے[3]۔ اور یا یوں سمجھا جاوے کہ جزو مدلول ہے[4] اور وجہ اس میری تخصیص کی یہ ہے کہ تزکیہ ظاہری کی طرف سے اس قدر بے التفاتی نہیں ہے جس قدر کہ لوگوں کو تزکیہ باطنی سے ہے اس لیے کہ جن چیزوں سے تزکیہ ظاہری کا تعلق ہے ان میں سے بعض سے بچنا طبعی امر ہے اور بعض سے شرعی مثلاً قاذورات[5] سے اپنے بدن یا کپڑے کو بچانا امر طبعی ہے یہاں طبع کا اقتضا ہے کہ ان چیزوں سے بچو اور بعض نجاسات وہ ہیں کہ ان کو شریعت نے نجاست قرار دیا ہے جیسے منی نکلنے سے تمام بدن کا تزکیہ کرایا ہے[6] اور حیض و نفاس سے نیز تمام بدن دھلوایا ہے[7] بہر حال تزکیہ ظاہری خواہ طبیعت کی وجہ سے ہو یا شریعت کے اتباع سے ہو اس کا اہتمام اور اس کی ضرورت کو سب

---

(۱) نجاست اور میل کچیل میں بھرا ہوا ہے (۲) صفائی اور پاکیزگی (۳) آیت صراحتاً اس پر دلالت کرتی ہے (۴) دلالت کا ایک حصہ ہے (۵) پیشاب پاخانے وغیرہ سے اپنے کپڑے بچانا (۶) غسل کرنے کا حکم دیا ہے (۷) حیض وہ خون ہے جو عورت کو ہر ماہ آتا ہے اور نفاس وہ خون ہے جو بچہ کی پیدائش کے بعد آتا ہے اس کے بعد بھی غسل کرنا واجب ہے۔

مسلمان تسلیم کرتے ہیں اور جانتے ہیں اور ان سے بچنے کا اہتمام بھی کرتے ہیں بخلاف تزکیہ باطنی کے کہ بعض تو اس کی ضرورت ہی کو تسلیم نہیں کرتے ہیں اور جو کرتے ہیں وہ اس کی طرف سے بے التفاتی کرتے ہیں[1] ایسے افراد تو بہت پائے جاویں گے جو شراب سے بچیں گے پیشاب سے محترز ہوں گے اگر کہیں چھینٹ لگنے کا احتمال بھی ہوگا تو تمام کپڑا ہی دھوڈالیں گے لیکن ایسے بہت کم ہیں کہ ان کا تقویٰ اکل و شرب[2] میں بھی پایا جاتا ہو چنانچہ رشوت کا مال کھا جائیں گے، سود کی کچھ پروا نہیں کریں گے۔ قرض لیکر نہ دینے کو ریاست کا جزو سمجھیں گے ہاں ظاہری وضع درست کرلیں گے ڈاڑھی لمبی ہے پاجامہ ٹخنوں سے اوپر کرتا نیچا ہے تاکہ اتقیاء[3] میں شمار ہو کر اعتبار بڑھ جاوے اور نیز اس میں نفس کو بھی کلفت[4] نہیں ہوتی اور جن امور میں نفس کو مشقت ہوتی ہے جیسے کسی کی زمین دبی ہوئی ہے اس کو چھوڑ دینا رہن کی آمدنی نہ کھانا یا جن امور میں جاہ کی کچھ کمی ہوتی ہے جیسے کسی غریب آدمی کو ستایا تھا اس سے خطا معاف کرانا ایسے امور کا کچھ بھی اہتمام نہیں تزکیہ کی یہ قسم الفاظ میں بہت قلیل ہے[5]۔ بہت کم افراد کو اس کا اہتمام ہے اور ان میں سے بھی اگر کسی کو اہتمام بھی ہے ان ہی چیزوں کا ہے جن کا معصیت[6] ہونا بہت مشہور اور ظاہر ہے بھی کچھ متعلق ہے باقی جو تزکیہ غیر مشہور اور محض متعلق باطن کے ہے اس کا کسی درجہ میں بھی اہتمام نہیں ہے۔ **الا ماشاء اللہ**، حاصل یہ ہے کہ نجاست باطنہ سے بچنا یہ تزکیہ باطنی ہے اور اسی کو آیت کا مدلول قرار دیتا ہوں۔

---

(۱) بے توجھی برتتے ہیں (۲) کھانے پینے میں (۳) نیک لوگوں (۴) مشقت (۵) تزکیہ کی یہ قسم واقع ہونے میں بہت کم ہے (۶) گناہ

وضوء سے گناہوں کی معافی کا مشاہدہ

چنانچہ جناب باری عزاسمہ ارشاد فرماتے ہیں قد افلح من زکھا الخ یعنی بیشک کامیاب ہوا وہ شخص جس نے نفس کو پاک کرلیا اور نامراد ہوا وہ جس نے اس کو مٹی میں ملادیا اول بیان کیا گیا تھا کہ جس قسم کی شے ہوگی اسی طرح کا اس کا تزکیہ ہوگا بس نفس کا پاک کرنا پانی سے نہ ہوگا اور نیز ظاہری نجاست سے بچنا بھی مراد نہیں اس لیے کہ ضمیر نفس کی طرف راجع[1] ہے اور نفس پانی سے پاک نہیں ہوتا ہاں اس معنی کر پانی موثر ہوسکتا ہے کہ تطہیر ظاہری[2] بدن دھونے کا اثر نفس پر ہوتا ہے چنانچہ امام غزالی نے اس کی تصریح کی ہے اور گو دلیل اس پر قائم نہیں کی مگر وہ اس کا مشاہدہ کراتے ہیں کہ دیکھو جب آدمی غسل کرتا ہے یا وضو کرتا ہے تو باطن میں ایک ایسا انشراح اور شگفتگی پاتا ہے جو پہلے نہیں تھی ایک دن ایسا لو کہ پانچوں نمازیں اس میں تازہ وضو کرکے پڑھی ہوں اور دوسرا دن ایسا لو کہ ایک وضو سے سب نمازیں پڑھی ہوں پہلے دن میں زیادہ نور اور انشراح[3] اور شگفتگی پائے گا اور دوسرے میں ایک قسم کی پژمردگی[4] اور نور کی کمی دیکھے گا۔ اور لیجیے استنجا کرنے کے بعد اور وضو سے پہلے باطن میں ایک خاص حالت ہوتی ہے کہ وہ نہ نور ہے نہ ظلمت ایک خلو[5] کی سی کیفیت ہوتی ہے اور وضو کے بعد غور کیجیے کہ ایک نور ہوگا اور طبیعت تازہ ہوگی اور کسل[6] اور کدورت بالکل دور ہوجاتی ہے اور ایک بات اسی وقت سمجھ میں آئی وہ یہ ہے کہ حضور ﷺ نے جو فرمایا ہے کہ وضو سے گناہ دھلتے ہیں تو عجب نہیں ہے کہ یہ انشراح اور نور جو وضو کے بعد ہر مومن کو محسوس ہوتا ہے یہ اسی کا اثر ہو اس لیے کہ گناہ سے ظلمت

---

(۱) پھرتا ہیں جا، ضمیر نفس کی طرف لوٹ رہی ہے (۲) ظاہری پاکی کا اثر (۳) بشاشت (۴) افسردگی (۵) دل ہر قسم کی کیفیت سے خالی ہوتا ہے (۶) سستی

کدورت سیاہی کا قلب پر ہوجانا تو حدیث سے معلوم ہوتا ہی ہے۔ چنانچہ حضور ﷺ نے فرمایا ہے کہ جب آدمی گناہ کرتا ہے تو اس کے قلب پر ایک دھبہ سیاہ لگ جاتا ہے اگر توبہ کرلے تو وہ زائل ہوجاتا ہے اور اگر پھر گناہ کیا تو ایک اور نکتہ سیہ لگ جاتا ہے۔ حتیٰ کہ گناہ کرتے کرتے سیاہی قلب کو محیط[1] ہوجاتی ہے۔ پس جبکہ گناہ سے ظلمت ہوتی ہے تو وضو سے گناہ معاف ہو کر اس ظلمت میں کمی ہوتی ہے اس لیے اس کا احساس ہوتا ہے اور اسی کی خبر دی گئی ہے کہ وضو سے گناہ دھلتے ہیں۔

قبولیت اعمال کی شرط

سبحان اللہ اعمال شرعیہ کی عجیب خاصیت ہے کہ ان میں اخلاص اگرچہ کم ہو لیکن وہ اپنا اثر کیے بغیر نہیں رہتے۔ اسی واسطے تو حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں۔

مثل الذین ینفقون اموالھم ابتغاء مرضات اللّٰہ و تثبیتا من انفسھم کمثل جنۃ بربوۃ اصابھا وابل فأتت اکلھا ضعفین فان لم یصبھا وابل فطل[2].

(یعنی جو لوگ اپنے مالوں کو اللہ کی رضامندی طلب کرنے کے واسطے خرچ کرتے ہیں ان کا حال ایسا ہے جیسے ایک اونچے ٹیلہ پر ایک باغ ہو اس پر زور کی بارش ہو پس اس باغ نے دو چند[3] پھل دیا اور اگر بارش سخت نہ پہنچے تو شبنم ہی کافی ہے اللہ تعالیٰ نے اس مثال میں مسلمانوں کے قلب کو ایک صالح زمین قرار دیا ہے اور اعمال صالحہ مثل تخم[4] کے ہیں اور اس قلب کو ایسی قابل زمین قرار دی ہے کہ اگر اخلاص جو بجائے بارش کے ہے کافی مقدار میں نہ ہو تو تھوڑا سا اخلاص جو بجائے

(۱) پورے دل کو گھیر لیتی ہے (۲) البقرہ آیت ۲۶۵ (۳) دوگنا (۴) بیج

شبنم کے ہے وہی کافی ہوجائے گا اور ادنی درجہ جو دس گونہ حسنات[1] ہے اس کو میسر ہوجائے گا پس اگر پورا اخلاص نہ ہو مگر ریا بھی نہ ہو جیسی ہماری حالت ہے کہ نہ ریا ہوتی ہے نہ اخلاص مساوات سی ہوتی ہے تو انشاء اللہ امید ہے کہ اتنا بھی کافی ہے ہمارا ایسی وضو یہ نماز گو مخلصین جیسا وضو و نماز نہیں ہے لیکن امید ہے کہ حق تعالی اپنی رحمت سے قبول فرمالیں گے۔

تواضع میں غلو

اس مقام پر تنبیہ کے لیے ایک بات ضروری یاد آگئی ہے وہ یہ کہ بعض مرتبہ آدمی تواضع میں آکر کہتا ہے کہ ہماری کیا نماز کیا روزہ اور اپنے ان اعمال کو حقیر سمجھتا ہے۔ کہتا تو ہے یہ تواضع کے لیے لیکن بعض اوقات یہ بات جحود نعمت[2] کی طرف مفضی ہوجاتی ہے یاد رکھو جس قدر یہ تم کرتے ہو یہ بھی نعمت ہے، اس پر شکر کرنا چاہیے اور آگے کو ہمت کرنا چاہئیے ہم تو اس کے بھی مستحق نہ تھے اللہ تعالی ایسی ہی وضو اور ایسی نماز کی توفیق دے یہ بھی ان کا فضل ہے انشاء اللہ حق تعالی کے یہاں اعمال قدر کے ساتھ دیکھے جاویں گے اور مراتب علیا نہ[3] سہی عذاب جہنم سے تو انشاء اللہ امید ہے کہ نجات ہوجاوے گی مراتب علیا تو بڑے لوگوں کو مبارک ہوں ہم بخدا اس پر راضی ہیں کہ ہم کو سزا سے خلاصی ہوجاوے پس ان اعمال کو حقیر نہ سمجھنا چاہیئے۔

اپنے اعمال کی تحقیر نہ کرو

بہت لوگ اس انتظار میں ہیں کہ نماز جب پڑھیں گے جبکہ حضور قلب[4]

---

(۱) دس گنا نیکیاں ہیں (۲) نعمت کے انکار تک پہنچ جاتی ہے (۳) بلند مرتبے نہ سہی (۴) دل نماز میں حاضر ہوگا یعنی متوجہ ہوگا

ہوگا ہم کیا نماز پڑھیں، دل میں تو ہمارے دنیا کے بکھیڑے بھر رہے ہیں۔ جب قلب پاک و صاف ہوگا اس وقت نماز پڑھیں گے۔ یاد رکھو یہ نفس کا بڑا کید[1] ہے ظاہر میں تواضع ہے مگر واقع میں یہ تکبر ہے اس لیے کہ جو حالت اور جو وقت اس نے اپنے لیے نماز کا تجویز کیا ہے اس وقت کی نماز کو یہ سمجھتا ہے کہ یہ نماز اس دربار کے لائق ہے حالانکہ اگر ہم عمل کرتے کرتے ہزاروں بار بھی مر مر کر زندہ ہوجاویں جب بھی ہم ناقص ہیں اور ہمارے اعمال اس وقت بھی ناقص ہی ہیں کسی طرح اس قابل نہیں ہیں کہ اس بارگاہ میں پیش ہوں ہم اور ہمارے اعمال ہر وقت ناقص ہی ہیں ہمارا اپنے اعمال کو ناقص سمجھنا ہی کمال ہے۔ پس اس حالت میں جبکہ یہ اعمال ناقص ہیں اور یہ شخص بھی ان کو ناقص سمجھتا ہے نقص ان میں کم ہے اور جو حالت اس کو مطلوب ہے اور اس کے حصول کے وقت یہ ان اعمال کو کامل سمجھے گا اس وقت کے اعمال نقص میں بڑھے ہوئے ہیں اس لیے کہ ناقص تو دونوں ہی حالت میں ہیں لیکن اس کے کامل سمجھنے نے نقص کو اور بڑھادیا ہے مریض اپنی نماز کو ناقص سمجھتا ہے اور تندرستی کی حالت میں نماز کو کامل سمجھتا ہے، حالانکہ معاملہ برعکس[2] ہے اس لیے مقصود تو مٹنا ہے اور غایت تذلل[3] ہے جہاں یہ معنی پائے جاویں گے وہی کمال ہے ہماری نماز ہمارا روزہ ایسا ہے جیسے مولانا ارشاد فرماتے ہیں۔

ایں قبول ذکر تو از رحمت است   چوں نماز مستحاضہ رخصت است

(یہ آپ کا ہمارے ذکر کا قبول فرمانا رحمت ہی سے ہے جیسے مستحاضہ[4] کی نماز

---

(۱) نفس کا بڑا مکر ہے (۲) معاملہ اس کا الٹ ہے (۳) انتہائی پستی اختیار کرنا (۴) مستحاضہ وہ عورت کہلاتی ہے جس کو حیض کے خون میں مدت مقررہ سے کمی زیادتی ہو لیکن استحاضہ والی عورت کو خون آنے کے باوجود نماز معاف نہیں اور وہ جریان خون کے باوجود ہر نماز کے لیے وضوء کرے اور اس وقت میں اس کو پڑھ لے دوسری نماز کے لیے اس کے وقت میں دوسرا وضوء کرے تو جس طرح اس کی نماز باوجود ناپاکی پائے جانے کے قبول کی جاتی ہے اسی طرح ہمارا ذکر باوجود قلبی ناپاکی کے مقبول کیا جاتا ہے

رخصت کی بنا پر قبول فرمالیتے ہیں)

حق تعالیٰ کا بڑا احسان ہے کہ ہم کو اس کی توفیق عطا فرمائی۔ع

بلا بودے اگر ایں ہم نبودے

اگر یہ نماز بھی نہ ہوتی تو کیا کرلیتے اور کیسی سخت مصیبت کا سامنا ہوتا۔ چنانچہ بعض دفعہ کسی عارض کی وجہ سے اس ناقص نماز میں تاخیر ہوجاتی ہے یا بالکل فوت ہوجاتی ہے تو کیسا غم سوار ہوتا ہے۔

بر دل سالک ہزارا غم بود　　　　چوں زباغے دل خلالے کم بود

(سالک کے دل پر ہزاروں غم طاری ہوتے ہیں اگر ذرہ بھر بھی اس کی باطنی حالت میں کمی ہوتی ہے)

اس وقت اس ناقص عمل ہی کی قدر ہوتی ہے اور اندازہ ہوتا ہے کہ اگر بالکل بھی توفیق نہ ہوتی تو کیسی مصیبت ہوتی بہر حال یہ نماز روزہ بھی حق تعالیٰ کی بڑی نعمت ہے اگر تھوڑا سا بھی خلوص ہوگا تو نجات کے لیے کافی ہے جیسے نفقات کے مثل[1] میں اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا کہ شبنم ہی کافی ہے۔

شبہ اور اس کا حل

اب یہاں پر یہ شبہ ہوگا کہ جب اپنی نماز کو کافی اور کامل سمجھا تو یہ تو کبر[2] ہے بات یہ ہے کہ ایک صورت سے کبر نہ ہوگا وہ یہ کہ اپنے کو تو بے قدر سمجھے اور یہ جانے کہ میں اس نعمت کے بھی قابل نہ تھا اور نماز کو بے قدر نہ جانے گو اس کو کاملین کے درجہ کی نہ جانے لیکن یہ سمجھے کہ میں ایسے نماز کے بھی قابل نہ تھا اس کی توفیق ہوجانا یہ بھی میری مقدار سے کہیں زیادہ ہے اس طور سے شکر اور

---

(۱) الذین ینفقون اموالھم کی مثال میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے جو پیچھے گذر چکی ہے (۲) تکبر

تواضع دونوں جمع ہوجائیں گے۔ اس کی ایسی مثال ہے جیسے کسی کو نہایت بھوک لگ رہی ہو اور کہیں سے کچھ نہ ملتا ہو اور اتفاق سے کسی نے روکھی روٹی دیدی تو وہ اس کا بہت ممنون ہوگا اور اس کی قدر کرے گا لیکن اس کو دوسروں کی نعمتوں پلاؤ زردے سے کم بھی جانے گا اور ساتھ ہی یہ بھی سمجھے گا کہ میرے لیے تو بھی پلاؤ اور قورمہ ہے اگر یہ بھی نہ ہوتی تو ہلاک ہی ہوجاتا۔

طاعات سے تزکیہ نفس ہوتا ہے

غرض حضور ﷺ کے اس ارشاد سے کہ وضوء سے گناہ دھلتے ہیں یہ معلوم ہوا کہ طاعات[1] کے درمیان یہ خاصہ ہے کہ اس سے تزکیہ نفس ہوتا ہے تو اس اعتبار سے طہارت ظاہرہ سے بھی نفس کا تزکیہ ہوتا ہے کہ اولاً جسم کا تزکیہ ہو اور بواسطہ اس کے نفس کا اور اسی طرح دیگر اعمال سے بھی تزکیہ نفس کا ہوتا ہے گو بواسطہ سہی اور تزکیہ بلاواسطہ مراد لیا جاوے تو آیت میں صرف تزکیہ باطنی مراد ہوگا بہر حال آیت کا مدلول عام لیا جاوے یا خاص مگر میرا مقصود یہاں پر وہ اعمال ہیں جن سے تزکیہ بلاواسطہ ہوتا ہے۔

پاک کردن اور پاک گفتن میں فرق

بیچ میں ایک شبہ کو بھی دفع کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے۔ اگرچہ شبہ عامیانہ ہے لیکن آج کل مصیبت یہ ہے کہ ہر شخص مجتہد ہے اگر ترجمہ اردو قرآن و حدیث دیکھنے کا شوق ہے یہ شوق تو برا نہیں لیکن ہر کام کی تدبیر اور قاعدہ دنیا میں ہے کہ ہر کام کا ایک استاد ہوتا ہے بہتر یہ ہے کہ کسی استاد سے یہ ترجمہ پڑھیں اپنی

(1) نیکیوں

رائے کو دخل نہ دیں شبہ یہ ہے کہ حق تعالیٰ نے یہاں تو تزکیہ کی فضیلت بیان فرمائی ہے۔ اور ایک مقام پر ارشاد ہے۔ **فلا تزکوا انفسکم**[۱] تو بظاہر یہاں تزکیہ سے نہی[۲] ہے تو اس سے اردو ترجمہ دیکھنے والے کو جبکہ اس کو علم نہ ہو سخت حیرانی ہوتی ہے کہ یہ کیا بات ہے۔ بات یہ ہے کہ تزکیہ کے دو معنی آتے ہیں پاک کردن و پاک گفتن[۳] جہاں فضیلت بیان فرمائی ہے وہاں تو معنی اول[۴] مراد ہیں اور جہاں نہی ہے وہاں معنی ثانی[۵] اس لیے کہ باب تفعیل کا خاصہ یہ بھی ہے کہ ماخذ کو اپنی طرف منسوب کرنا پس جہاں نہی ہے وہاں یہی معنیٰ مراد ہے۔ حاصل یہ ہے کہ نفس کو پاک تو کرو لیکن اس کرنے کے بعد اس کو پاک مت کہو اور ناپاک سمجھو خلاصہ یہ ہے کہ کردار کی تاکید ہے اور گفتار سے تحذیر ہے[۶]۔

کار کن کار بگذار از گفتار   کاندریں راہ کار باید کار[۷]

حضرت شیخ شیرازی فرماتے ہیں۔

قدم باید اندر طریقت نہ دم   کہ اصلی ندارد دمی بے قدم[۸]

نرے دعوے سے کچھ نہیں ہوتا کام کرنا چاہیئے ایک بزرگ وحدۃ الوجود کے بارہ میں فرماتے ہیں۔

مغرور سخن مشو کہ توحید خدائی   واحد دیدن بود نہ واحد گفتن[۹]

---

(۱) اپنے نفسوں کو پاک مت کہو (۲) بظاہر اس آیت میں تزکیہ کرنے کی ممانعت ہے (۳) تزکیہ کے دو معنی آتے ہیں پاک کرنا اور پاک کہنا (۴) پہلے معنی (۵) دوسرے معنی (۶) کرنے کا حکم ہے اور کہنے کی ممانعت ہے (۷) کام کرو کام صرف باتیں کرنا چھوڑ دو اس راستے میں کام کرنا ہی منزل پر پہنچاتا ہے (۸) طریقت میں قدم رکھنا مفید ہے صرف باتیں کرنا کار آمد نہیں ہے (۹) لفظوں میں اللہ کی واحدانیت کا اظہار کرکے مغرور نہ ہو جاؤ اس لیے کہ ہر چیز میں اللہ کی وحدانیت کا مشاہدہ کرنا ہی حقیقی وحدانیت ہے نہ کہ صرف زبان سے واحد کہنا

یعنی وحدۃ الوجود واحد دیدن ہے واحد گفتن نہیں ہے یعنی توحید بمعنی وحدۃ الوجود وہ ایک حالت ہے وہ کوئی مضمون علمی نہیں ہے جس پر وہ حالت گذرتی ہے وہ اس کا مشاہدہ کرتا ہے پس غرض **فلا تزکوا انفسکم** میں دعویٰ کرنے کی ممانعت کی گئی ہے چنانچہ قرینہ اس کا یہ ہے کہ اس کے بعد فرماتے ہیں **ھو اعلم بمن اتقی**[۱] اگر پاک کردن کے معنے ہوتے تو **اعلم** نہ فرماتے پس دعوے کی ممانعت ہے۔

حقوق اللہ کی ادائیگی میں لگنا ضروری ہے

واقعی اگر آدمی غور کرے تو اس کو معلوم ہوگا کہ جس درجہ کی بھی پاکی حاصل کرے حق تعالیٰ کی درگاہ کے لائق کسی طرح نہیں ہوسکتی یہاں تک کہ جو طاعات[۲] زبان سے ادا ہوتے ہیں اور ظاہر ہے کہ زبان ایسی چیز ہے کہ اس سے ہم جو چاہیں اور جس قدر چاہیں عمل ہوسکتا ہے لیکن حق تعالیٰ کے وہ حقوق بھی ادا نہیں ہوتے اور ہمارے تو کیا ہستی ہے سید الحامدین[۳] خود ارشاد فرماتے ہیں۔

لااحصی ثناء علیک انت کما اثنیت علی نفسک[۴]

اے برتر از خیال و قیاس و گمان و وہم — وز ہرچہ گفتہ اند و شنیدیم و خواندہ ایم
دفتر تمام گشت و بپایاں رسید عمر — ماہمچناں در اول وصف تو ماندہ ایم

(اے اللہ آپ خیال اور قیاس اور گمان اور وہم سے برتر ہیں اور جو کچھ لوگوں نے بیان کیا اور جو کچھ ہم نے سنا اور پڑھا ہے اس سے آپ برتر ہیں دفتر تمام ہوگیا اور عمر انتہا کو پہنچ گئی ہم ایسے پہلے ہی وصف رہے ہیں)

---

(۱) وہ خوب جانتا ہے کہ کون متقی ہے (۲) عبادات (۳) محمد رسول اللہ ﷺ (۴) میں آپ کی تعریف کا احاطہ کرسکتا بس آپ کی وہی تعریف ہے جو آپ نے خود کی ہے

اور ایک بزرگ کہتے ہیں۔

نہ گردد قطع ہرگز جادہ عشق از دویدنہا

کہ می بالد بہ خود ایں راہ چوں تاک از بریدنہا[1]

میں اس مقام میں کلام کو اس لیے طول زیادہ[2] دیا ہے کہ آج کل لوگ کچھ ذکر و شغل کرکے اپنے کو عارف اور شاغل سمجھتے ہیں حالانکہ یہ راہ[3] پورا کبھی بھی قطع نہیں ہوتا جتنا زیادہ قطع کرو اتنا ہی زیادہ بڑھتا ہے اور بظاہر یہ خلاف عقل معلوم ہوتا ہے اس لیے کہ کسی راہ کو جتنا قطع کرتے ہیں وہ تو گھٹا کرتا ہے بات یہ ہے کہ جس قدر معرفت بڑھتی ہے نظر صحیح ہوتی جاتی ہے اور حق تعالیٰ کے حقوق اور عظمت کا مشاہدہ زیادہ ہوتا ہے اور اس کے لیے لازم ہے کہ اپنا عجز اور کوتاہی بھی ساتھ ساتھ بڑھے پس سالک کی جس قدر معرفت بڑھے گی اس کو یہ معلوم ہوگا کہ میں ہیچ در ہیچ ہوں اور میں نے راستہ کا ایک قدم بھی طے نہیں کیا اور خدا تعالیٰ کا ایک حق بھی ادا نہیں کیا اگر خدا تعالیٰ اپنے حقوق کا مطالبہ کرنے لگیں تو کہیں ٹھکانا نہیں اس لیے کہ حقوق تو ہم ادا کر ہی نہیں سکتے اسی واسطے اس کا مواخذہ نہ ہوگا کہ ہمارے حقوق پورے کیوں نہیں ادا کیے بلکہ یہ کہا جائے گا کہ ادائے حقوق میں کیوں نہیں لگے۔

عمل سے نجات نہیں ہوگی بلکہ رحمت الٰہی سے ہوگی

ایک بات جملہ معترضہ کے طور پر اور دیکھو کہ اس مقام پر عقل تو ادائے تمام حقوق کا فتویٰ دیتی ہے اور حقوق کا ادائے تمام ممکن نہیں تو یہ آپ کی عقل

---

(۱) تیز دوڑنے سے عشق کا میدان ختم نہیں ہوتا اس لیے کہ تو جتنا اس کو قطع کریگا یہ اتنا بڑھے گا (۲) زیادہ تفصیل سے کلام اس لیے کیا (۳) راستہ

جس پر آپ کو ناز ہے آپ کو مجرم بنانا چاہتی ہے۔ اگر شریعت نہ ہوتی جو کہ ادائے حقوق میں لگ جانے پر کفایت کرتی ہے اور عقل ہی پر مدار ہوتا تو سب ہلاک ہوتے لیکن حق تعالیٰ نے رحمت فرمائی اور مدار کار[1] ہماری عقل پر نہیں رکھا چنانچہ فرماتے ہیں جناب رسول اللہ ﷺ کہ کسی شخص کو اس کے عمل سے نجات نہ ہوگی بلکہ رحمت سے ہوگی۔ حضرت عائشہؓ نے عرض کیا کہ یارسول اللہ ﷺ **ولا انت** یعنی یارسول اللہ ﷺ کیا آپ کو بھی عمل سے نجات نہ ہوگی "**قال ولا انا الا ان یتغمد نی اللہ برحمتہ**" فرمایا مجھ کو بھی نجات نہ ہوگی، مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ مجھ کو اپنی رحمت سے ڈھانپ لے اور وجہ اس کی یہ ہے کہ حق تعالیٰ کی شان کے موافق ممکن الوجود شخص سے عمل نہیں ہوسکتا خواہ نبی ہو یا ولی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی انسان ہیں الٰہ نہیں[2] ہیں ہاں انسان کامل بلکہ اکمل الکاملین ہیں اس لیے عمل کسی کا نجات[3] دینے والا نہیں تو دیکھو ہم نے عقل کو وکیل بنایا تھا مگر حاکم حقیقی نے اس کی وکالت کو نہیں قبول کیا اور اس بیرسٹر کی بکواس کو رد کردیا اور یہ فرمایا کہ اگر ہم تمہارے بیرسٹر کی تقریر پر فیصلہ کریں گے تو تم سب مقدمہ میں ناکامیاب ہو کر جیل خانہ میں رہو گے لہذا ہم اس کی تقریر نہیں سنتے اور اپنے مراحم خسروانہ سے تم کو خلاصی بخشتے ہیں یعنی ہم اس کو نہیں دیکھتے کہ تم نے ہمارے حقوق ادا بھی کیے ہیں ہاں ہم اس کا ضرور انتظار کریں گے کہ حقوق کے اندر مشغول بھی تھے یا نہیں اس لیے ارشاد ہے **ھو اعلم بمن اتقی** یعنی یہاں تم اپنے کو پاک نہ کہو۔ پاک اور متقی کا علم تو اللہ کو ہے کہ کون ہے واللہ ثم واللہ[4] کہ اگر انسان کو اپنی قدر اور حیثیت کا اندازہ اور صحیح علم

---

(۱) کام کی مدار (۲) معبود نہیں (۳) اور بعض آیات سے جو معلوم ہوتا ہے کہ جنت اور نعیم جنت اعمال کا بدلہ ہے تو اس کو بدلہ اور جزا بنانا بھی رحمت ہے ۱۲ جامع (۴) قسم ہے خدا کی اور مکرر قسم ہے

ہوجاوے تو یہ کہتے ہوئے بھی شرم آوے کہ انا موجود[1] چہ جائے کہ یہ کہے انا کذا و انا کذا[2] حق تعالیٰ کی قدرت اور عظمت چونکہ پیش نظر نہیں ہے اس لیے یہ سب دعوی ہیں تحقیقات جدیدہ سے ثابت ہوا ہے کہ ایک قطرہ پانی میں خورد بین کے ذریعہ سے معلوم ہوا ہے کہ اس قدر کیڑے ہیں جس قدر کہ تمام دنیا کے آدمی اور چلتے ہیں اور پھرتے ہیں کھاتے ہیں اور ان میں آنکھ، ناک، منہ، ہاتھ، پیر، دماغ سب کچھ ہے اللہ اکبر اور اس مضمون کا تتمہ[3] جو کہ اس کے ایراد سے مقصود ہے آگے آوے گا۔

اللہ سے نیک گمان رکھنا چاہیئے

دیکھو ایک قطرہ میں اتنے کیڑے ہیں اور پھر وہ قطرے آپ پیتے ہیں خدا تعالیٰ ہی محافظت کرتے ہیں۔ خبر بھی نہیں کہ ہم کیا کھاتے ہیں کیا پیتے ہیں۔ یہ خورد بین تھوڑے دنوں سے ہوگئی ہے اس سے یہ علم ہوا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ڈاکٹروں نے یہ بانگ دیا کہ یہ طاعون ان کیڑوں کی وجہ سے ہے۔ جب پانی خراب ہوتا ہے تو ان میں سمّیت[4] آجاتی ہے۔ لوگوں کو بھی ان کے کہنے کا یقین آگیا۔ اور چونکہ خدا تعالیٰ کے ساتھ جیسا گمان آدمی کا ہوتا ہے ویسا ہو بھی جاتا ہے۔ ممکن ہے کہ جب ان کیڑوں میں طاعون کا خیال بندھا تو اللہ تعالیٰ نے بھی طاعون اس میں پیدا کردیا۔ ورنہ ان تحقیقات سے پہلے نہ طاعون تھا نہ کچھ تھا مجھ کو اس پر ایک حدیث یاد آئی۔

جناب رسول اللہ ﷺ ایک بیمار کی عیادت کے لیے تشریف لے گئے۔

---

(۱) میں موجود ہوں (۲) میں ایسا ہوں اور ویسا ہوں (۳) بقیہ اس مضمون کا آگے بیان کریں گے درمیان میں ایک اہم مضمون بیان کر رہے ہیں (۴) زہریلا پن

دیکھا کہ اس کو بخار ہے فرمایا لا باس طھور انشاء اللہ تعالیٰ یعنی کچھ حرج نہیں یہ بخار تمہارے حق میں مطہر[۱] ہے اللہ اکبر عیادت کا حق بھی حضور ﷺ سے زیادہ ادا کرنے والا کون ہوگا۔ عیادت کی غرض اصلی تسلیہ[۲] ہے اور تسلی اس سے بڑھ کر کیا ہوگی کہ جس شے کو وہ ضرر[۳] سمجھتا ہو اس کو حضور ﷺ نفع کے افراد میں داخل کردیں[۴] یہ تو ایسی تسلی ہے کہ طبیعت میں اس قدر تسلی اس سے ہونی چاہیئے کہ مرض بھی نہ رہے لیکن اس تسلیہ کی اس بیمار نے قدر نہ کی وہ ایک ضعیف الایمان بڈھا تھا۔ کہتا ہے۔

کلا بل حمی تفور علی شیخ کبیر تزیرہ القبور[۵] فرمایا اچھا یوں ہی سہی چنانچہ وہ بڈھا اسی میں ختم ہوگیا۔ غرض تم کو اگر طاعون پسند ہے تو طاعون بھی موجود ہے اور اگر شفا چاہتے ہو تو شفا بھی ہے۔ صاحبو حق تعالیٰ سے عافیت اور امن مانگنا چاہیئے اور یہی گمان بھی رکھنا چاہیئے۔ ہاں اگر اس کے بعد بھی بحکمت الٰہیہ ابتلا[۶] ہوجائے تو صبر کرنا چاہیئے۔ بعض لوگ بہت بے صبر ہوتے ہیں اور مصیبت میں ایسے کلمات بول اٹھتے ہیں کہ ایمان تک نوبت پہنچ جاتی ہے۔ ہاں جو اللہ والے ہیں وہ ایسے مواقع میں بھی مستقل رہتے ہیں۔

چنانچہ ایک بزرگ نے دیکھا کہ لوگ بھاگے جارہے ہیں کسی سے پوچھا کہ یہ کہاں جارہے ہیں۔ کہا کہ طاعون سے بھاگ رہے ہیں تو آپ فرماتے ہیں یا طاعون خذ نیے الیک یعنی اے طاعون تو مجھ کو لے لے ان کی یہ کیفیت ہوتی ہے کہ وہ زبان حال سے یوں کہتے ہیں۔

---

(۱) تم کو گناہوں سے پاک کرنے والا ہے (۲) مریض کو تسلی دینا (۳) نقصان دہ (۴) فائدہ مند ہونا بتائیں (۵) ہرگز نہیں بلکہ یہ تو ایسا بخار ہے کہ جو ایک بوڑھے کو قبر میں پہنچائیگا (۶) اللہ کی حکمت میں کبھی مبتلائے طاعون ہوجائے تو صبر کرے

نشود نصیب دشمن کہ شود ہلاک تیغت　　　　سر دوستاں سلامت کہ تو خنجر آزمائی

(دشمن تو یہ چاہتا ہے کہ تیری تلوار ٹوٹ جائے، مگر ہم یہ چاہتے ہیں کہ الٰہی دشمن کا کہنا پورا نہ ہو دوستوں کے سر سلامت چاہئیے تاکہ تو اپنے خنجر کی مشق کرتا رہے)

الحاصل طاعون کا سبب مؤثر کیڑے وغیرہ کچھ نہیں ہیں۔ یہ محض وہم ہے اگر ایسا ہوتا تو جو لوگ طاعونیوں سے ملے جلے رہتے ہیں ان کو طاعون ضرور ہونا چاہئیے تھا حالانکہ بہتوں کو باوجود ان کی تمنا کے بھی نہیں ہوتا۔ کانپور میں میرے بعض دوستوں نے طاعون کے ایام میں التزام[1] کرلیا تھا کہ ہم مبتلا یان طاعون[2] کی خدمت کریں گے۔ چنانچہ انہوں نے اول سے آخر تک تجہیز و تکفین و تدفین سب کچھ کیا لیکن وہ بیمار تک بھی نہ ہوئے۔ اچھے خاصے اب بھی موجود ہیں یہ نرا[3] وہم ہے۔

غلبہ وہم سے کبھی اثر بھی ہوجاتا ہے

وہم سوار ہوجاتا ہے اور وہم ایسی شے ہے کہ جب اس کا غلبہ ہوتا ہے تو واقعی اثر بھی ہوجاتا ہے، ہمارے استاد مولانا فرماتے تھے کہ دہلی میں ایک ڈوم تھا۔ رمضان المبارک کے دنوں میں مسجد میں قرآن سنا کرتا تھا۔ مومن خاں شاعر نے اس نے کہا کہ خاں صاحب جب قرآن میں وہ سورۃ آوے[4] جو مردوں پر پڑھی جاتی ہے مجھ کو ایک روز پہلے اطلاع کردیجیے میں اس روز نہ آؤں گا۔ ایک روز مومن خاں نے کہا کہ بڑے میاں وہ سورۃ تو آگئی فوراً اس کو بخار چڑھ آیا اور مردوں کی طرح گھر جاکر لیٹ رہا اور ایسا وہم سوار ہوا کہ تیسرے دن مرگیا۔

قاری عبداللہ صاحب کی نقل فرماتے تھے کہ یہاں ایک سال غالباً جاورہ کے

---

(۱) اہتمام (۲) طاعون میں مبتلا، لوگوں (۳) صرف وہم ہے (۴) یعنی سورۃ یٰس

رئیس حج کرنے کے لیے آئے تھے اتفاق سے ان کی بی بی کو ہیضہ پڑا نئی نئی شادی کی تھی بی بی کو چاہتے بہت تھے۔ نواب صاحب کو بے انتہا گھبراہٹ ہوئی حتی کہ اسی غم میں ان کی روح تحلیل[۱] ہو گئی اور بیوی صاحبہ اچھی خاصی ہو گئیں ظہر کے وقت نواب صاحب کا جنازہ حرم میں آیا ہم کو افسوس ہوا کہ مریضہ مر گئیں نواب صاحب کو کیسا رنج ہو گا تحقیق کیا تو معلوم ہوا کہ نواب صاحب کا جنازہ ہے۔

بیماری خدا کے چاہنے سے لگتی ہے ورنہ نہیں

اسی واسطے شریعت نے بیماری کے لگنے میں بہت اچھا فیصلہ کیا ہے کہ جب خدا تعالیٰ چاہتے ہیں بیماری لگتی ہے جب نہیں چاہتے نہیں لگتی اور اسی طرح تمام اسباب کے متعلق شریعت کا یہی فیصلہ ہے کہ جب خدا تعالیٰ چاہتے ہیں اسباب کے بعد مسبب کو پیدا کر دیتے ہیں اور نہیں چاہتے تو نہیں کرتے اب اس قاعدہ پر کچھ اشکال ہی نہیں اور بغیر اس عقیدہ کے مضر[۲] بھی نہیں ہے ورنہ اس قدر اشکالات وارد ہوں گے کہ جواب دیتے دیتے تنگ ہو جاؤ گے اور پھر بھی وہ ختم نہ ہوں گے مولانا فرماتے ہیں۔

خاک و باد و آب و آتش بندہ اند   بامن و تو مردہ باحق زندہ اند
نیا روز میں تا نگوئی بیار   نیارد ہوا تا نگوئی بیار

(مٹی ہوا پانی آگ سب اللہ تعالیٰ کے بندے ہیں اور تیرے لیے مردہ معلوم ہوتے ہیں، لیکن اللہ تعالیٰ کے لیے سب زندہ ہیں)

پانی غرق نہیں کرسکتا، ہوا اڑا نہیں سکتی، طاعون کچھ نہیں کرسکتا جب تک کہ ان کو حکم نہ ہو۔

---

(۱) روح نکل گئی (۲) نقصان دہ

وحدۃ الوجود

الحاصل میں یہ بیان کر رہا تھا کہ یہ تحقیق ہوا ہے کہ ایک قطرہ پانی میں کروڑوں جراثیم ہیں، اب آپ دیکھیے کہ اس ایک قطرہ پانی کو انسان سے کیا نسبت ہے۔ پھر اس ایک قطرہ پانی میں جو جراثیم ہیں ان میں سے ایک کیڑے کو دیکھیے کہ کیا نسبت ہے۔ وہ کیڑا اگر یوں کہے کہ میں انسانوں کی خدمت کروں گا تو خدمت کرنا تو علیحدہ ہے اس کا یہ مقولہ(۱) سن کر ہی بے انتہا ہنسی آوےگی اور بالفرض اگر وہ کچھ خدمت کرے۔ مثلاً پاؤں دبائے تو کچھ بھی خبر نہ ہوگی۔ پس وہ کیڑا محال ہے کہ انسان کا کوئی حق ادا کرسکے یا کسی درجہ میں اس کو نفع پہنچا سکے اور اگر اس پر وہ انسان کے مقابلہ میں کوئی رائے لگائے یا تحقیقات اور علوم و صنائع(۲) کا بھی دعوے کرے تو وہ محو(۳) کردینے کے قابل ہے پس جو نسبت ہم کو اس کیڑے سے ہے واللہ العظیم ہم کو بلکہ تمام کو حق تعالیٰ جل جلالہ سے اس قدر بھی نسبت نہیں۔ پس آپ کا یہ دعویٰ کرنا کہ میں بڑا صاف ہوں پاک ہوں ایسا ہی ہے بلکہ اس سے بڑھ کر ہے جیسے وہ کیڑا انسان کے مقابلہ میں یوں کہے کہ میں ایسا چمکدار ہوں اور ایسا خوبصورت ہوں اگر وہ انسان کو دیکھ لے تو واللہ اس سے بھی شرماوے کہ یوں کہے کہ میں کوئی چیز ہوں اور جن پر کچھ فضل ہوگیا ہے ان کی یہی کیفیت ہوئی۔

ایک بزرگ بیٹھے تھے۔ ان کو ایک شخص پنکھا جھل رہے تھے اور وہ منع کرتے تھے، اور کہتے تھے کہ میرے ساتھ کیوں تمسخر کرتے ہو تھوڑی دیر کے بعد اجازت دیدی، لوگوں نے پوچھا کہ حضرت یہ کیا بات تھی فرمایا کہ اس وقت مجھ پر اضمحلال وجودی انکشاف(۴) ہوا مجھ کو نہایت شرم معلوم ہوئی اور میں اپنی نظر میں لا

---

(۱) اسکی یہ بات سن کر (۲) کاریگری (۳) مٹادینے کے قابل ہے (۴) مجھ پر اپنے وجود کی کمزوری منکشف ہوئی اور اپنی نظر میں لاشئی محض بن گیا

شے محض ہو گیا۔ بعض بزرگ جو اپنی خدمت سے منع کرتے ہیں تم تو یہ سمجھتے ہو کہ یہ تنگ مزاج ہیں، تم کو کیا خبر ہے ان پر کیا گذرتی ہے۔

اے ترا خارے بپا شکستہ کے دانی کہ چیست
حال شیرانے کہ شمشیر بلا بر سر خورند[۱]

تم تو ان کو اپنے اوپر قیاس کرتے ہو حالانکہ ان کی دوسری حالت ہے۔

در نیابد حال پختہ ہیچ خام　　پس سخن کوتاہ باید والسلام

(خام پختہ کے حال کو نہیں سمجھ سکتا بات مختصر چاہیئے طویل کلام سے کیا فائدہ والسلام)

پس کاملین کو ہرگز اپنے اوپر قیاس نہ کرنا چاہیئے چنانچہ جن بزرگوں پر اضمحلال وجود اور فنا[۲] کی حالت ہوتی ہے ان کی کیفیت یہ ہوتی ہے کہ وہ اپنے کو کافر تک سے بدتر سمجھتے ہیں۔ دعا کرتے ہوئے اور نماز پڑھتے ہوئے ان کو شرم آتی ہے مگر حکم سے کرتے ہیں اسی حالت کی نسبت شیخ شیرازی فرماتے ہیں۔

ہمہ ہرچہ ہستند ازاں کمتر اند　　کہ باہستیش نام ہستی برند[۳]

یہی حالت ہے جس کا نام وحدۃ الوجود ہے حق تعالیٰ کی ہستی ایسی ان کو پیش نظر ہوتی ہے کہ اپنی ہستی کو مٹا ہوا پاتے ہیں اور اس طرح مٹ جاتے ہیں جیسے آفتاب کے سامنے چراغ کہ اس کو باعتبار ذات کے ہست کہہ سکتے ہیں اور آفتاب کے نور کے سامنے اس کو نیست بھی کہا جا سکتا ہے حضرت عارف شیرازی بہت واضح مثال میں اس کو بیان فرماتے ہیں، فرماتے ہیں۔

---

(۱) اے وہ شخص کہ جس کا ایک کانٹے سے پاؤں زخمی ہو گیا تو اس شخص کے حال کو کیا سمجھ سکتا ہے کہ جو بلاؤں کی تلواریں اپنے سر پر کھاتے ہیں (۲) اللہ کے وجود اور اپنی فنائیت کا غلبہ ہو (۳) ان کا جو کچھ وجود نظر آتا ہے وہ اس سے حقیر تر ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی ہستی کے ساتھ اپنے وجود کا نام لیے پھرتے ہیں

مگر دیدہ باشی کہ در باغ و راغ — بتابد بشب کرمکے چوں چراغ
یکے گفتش اے کرمک شب فروز — چہ بودت کہ بیروں نیائی بروز
بہ بیں کاتشیں کرمک خاک زاد — جواب از سر روشنائی چہ داد
کہ من روز و شب جز بصحرا نیم — ولے پیش خورشید پیدا نیم[1]

شیخ اکبر اسی مقام کی نسبت فرماتے ہیں واللہ ما شمت الکائنات رائحۃ الوجود یعنی خدا کی قسم ہے کہ کائنات عالم نے وجود کی بو تک بھی نہیں سونگھی پس جبکہ ہماری ہستی ایسی بے بود ہے تو عقلی طور سے سمجھ میں آگیا کہ ہم کو پاکیزگی کا دعویٰ کرنا کہاں تک زیب دیتا ہے۔ پس اس تقریر پر **لا تزکوا انفسکم** اور **قد افلح من زکھا** میں کوئی تعارض نہ رہا اور شبہ دفع ہوگیا۔

دو مادے جن سے گناہ پیدا ہوتے ہیں

میں یہ بیان کر رہا تھا کہ مجھ کو مقصود[2] بالبیان نفس کا تزکیہ ہے معاصی سے، خواہ وہ معاصی ظاہری ہوں یا باطنی اور ہرچند کہ معاصی[3] بہت سے ہیں لیکن منشاء ان سب کا صرف دو چیز ہیں اول شہوت یا لذت دوسرے کبر یا غضب یہ دو مادہ خبیثہ[4] ہیں کہ جن سے تمام معاصی پیدا ہوتے ہیں۔ پس نفس کو اسباب شہوت و کبر سے[5] بچانا حاصل تزکیہ کا ہے۔ شریعت نے ان ہی دو مادوں کا طرح طرح سے معالجہ کیا ہے۔

---

(۱) باغ میں گھومتے ہوئے دیکھا کہ جگنوں چراغ کی مانند چمک رہا تھا ایک شخص نے کہا کہ اے رات میں چمکنے والے جگنوں تو دن میں سامنے کیوں نہیں آتا دیکھو اس مٹی میں رہنے والے جگنوں نے اپنی چمک دمک کے بارے میں کیا جواب دیا کہ میں تو شب و روز صحرا ہی میں رہتا ہوں لیکن سورج کے سامنے میری روشنی نظر ہی نہیں آتی (۲) بیان سے مقصود نفس کا تزکیہ ہے (۳) گناہ (۴) برے مادے ہیں (۵) شہرت اور تکبر کے اسباب سے بچانا

معالجے کی اقسام

معالجہ کی دو قسمیں ہیں - معالجہ تفصیلی[1] اور معالجہ اجمالی[2] لیکن معالجہ تفصیلی کا مرجع ہمیشہ کوئی امر اجمالی ہوتا ہے جیسے طبیب نے چند اجزاء سے ایک نسخہ لکھ کر دیا- پس بظاہر تو وہ اجزاء متعدد ہیں لیکن حاصل ان کا مثلاً صفراء کا قمع کرنا ہے ایک ہے شریعت نے دونوں قسم کے معالجہ کیے ہیں- دیکھو بنی اسرائیل کو حب مال اور حب جاہ حق کے اتباع سے سدراہ[3] ہوئی حق تعالیٰ نے دونوں کا معالجہ تفصیلی فرمایا ہے-

چنانچہ ارشاد ہے **واقیموا الصلوۃ** یہ تو حب جاہ[4] کا معالجہ ہے **واتوا الزکوۃ** یہ حب مال[5] کا علاج ہے و**ارکعوا مع الراکعین** جو تتمہ ہے **اقیموا الصلوۃ** کا یہ کبر کے زائل ہونے کی تدبیر ہے حق تعالیٰ نے جابجا جو مجاہدات بیان فرمائے ہیں سب کا حاصل ان ہی دو خصلتوں سے تزکیہ ہے-

ہمارے تقویٰ کی مثال

میں اسی کی شرح کرنا چاہتا ہوں اور اسی سے اعمال رمضان کی حکمتیں اور روح معلوم ہوجائیں گی اور یہ معلوم ہوگا کہ ہمارا رمضان در حقیقت بری طرح سے گزرتا ہے بہت تو اللہ کے بندے ایسے ہیں کہ ان کے گھر رمضان آتا ہی نہیں نہ دن کو نہ رات کو یعنی نہ نماز پڑھتے ہیں اور نہ روزہ رکھتے ہیں اور بعض کے یہاں دن کو تو آتا ہے لیکن رات کو نہیں آتا- یعنی نماز و تراویح نہیں پڑھتے اور دن کو بھی جو آتا ہے تو بعض آثار کے اعتبار سے آتا ہے- یعنی کھانا پینا تو چھوڑ دیتے ہیں

---

(۱) تفصیلی علاج (۲) اجمالی علاج (۳) حق کے اتباع سے روکنے کا باعث ہوئی (۴) اقتدار کی محبت کا علاج ہے (۵) مال کی محبت کا علاج ہے

لیکن جس شے کا چھوڑنا بڑا ضروری تھا یعنی معاصی[1] ان کو نہیں چھوڑتے۔

صاحبو! غضب کی بات ہے کہ جو شے یعنی کھانا پینا کہ فی نفسہ مباح[2] ہے دن کو بھی اور رات کو بھی اور رمضان میں رات کو اور معذور کے لیے دن کو بھی جائز ہے جبکہ شارع نے اس کو اس ماہ مبارک میں چھڑا دیا تو معاصی جو کہ کسی وقت اور کسی حالت میں کسی عذر سے جائز ہی نہیں وہ کیسے ترک[3] کے قابل نہ ہوں گے اور ان کے ترک کا اہتمام کیوں نہ زیادہ کیا جاوے گا۔ افسوس تو ہے کہ کھانا پینا تو چھوڑ دیا لیکن گناہ نہ چھوڑے ہمارے اس تقویٰ کی ایسی مثال ہے جیسے کسی شخص نے بدکاری کی اور حمل رہ گیا۔ کسی نے کہا کہ کمبخت تو نے عزل نہ کرلیا کہنے لگا کہ میں نے علماء سے سنا تھا کہ مکروہ[4] ہے۔ زنا جو کہ حرام قطعی ہے اس کے ارتکاب میں تو باک نہیں کیا اور عزل میں آپ کو تقویٰ پر عمل ہوا۔ ایسا ہی ہمارا تقویٰ ہے۔ ایسے تقویٰ کو کلابی[5] کہتے ہیں اور وجہ تسمیہ یہ ہے کہ کتا جب پیشاب کرتا ہے تو ٹانگ اٹھا کر کسی دیوار پر کر دیتا ہے کہ ایسا نہ ہو مجھ کو چھینٹ لگ جاوے لیکن اگر کہیں پلیدی پاتا ہے تو وہ کھا لیتا ہے تو ٹانگ تو نجاست سے بچاتا ہے اور منہ کو نہیں بچاتا۔

ایک گنوار عورت کی حکایت مشہور ہے کہ اس سے کسی نے پوچھا کہ تیرا میاں کہاں گیا تو شرم کی وجہ سے منہ سے تو بولی نہیں۔ لہنگا اٹھا کر اور پیشاب کر کے اس کو پھاند گئی۔ مطلب یہ تھا کہ دریا پار گیا ہے ہم اس عورت کی حماقت پر ہنستے ہیں کہ اچھی شرم ہوئی بولنے کی تو شرم کی اور ننگے ہوتے ہوئے شرم نہ آئی۔ لیکن ہم سب اس بلا میں مبتلا ہیں گو روزہ میں معمولی کھانا کھایا یا پیا نہیں۔

---

(۱) گناہ (۲) اپنی ذات کے اعتبار سے جائز ہے (۳) چھوڑنے (۴) بیوی سے بلا اس کی رضا۔ کے عزل کرنا مکروہ ہے (۵) جیسے کتے کا تقویٰ ہے

لیکن مردہ مسلمان کا گوشت کھایا یعنی غیبت کی۔ منہ تو بند کرلیا لیکن غیبت اور بہتان سننے کے لیے کان کھولدیے کھانے سے ہاتھ روکا۔ لیکن ظلم کرنے اور تاش اور گنجفہ اور شطرنج کھیلنے اور جھوٹی دستاویزوں پر دستخط کرنے کے لیے خوب چلائے زبان کو تھموں میں نہیں چلایا لیکن مسلمانوں کو برا کہنے اور سب و شتم[1] اور جھوٹی گواہی دینے سے اس کو نہیں روکا۔ اے صاحب یہ کیسا تقویٰ ہے۔ یہ کیسا روزہ ہے، یہ کیسی دینداری ہے اگر یہی دین و ایمان ہے تو بئسما یامرکم بہ ایمانکم ان کنتم مومنین[2]۔

روزہ کی اصلی غرض

در حقیقت ہم نے روزہ کے معنی اور غرض ہی نہیں سمجھی روزہ کی اصلی غرض تھی کسر قوت بہیمیہ[3] کے واسطے سے معاصی سے بچنا جب معاصی سے ہم عین روزہ کی حالت میں بھی نہ بچے تو بعد میں وہ غرض و غایت اس پر کیسے مرتب ہو سکتی ہے۔

حضور اکرم ﷺ فرماتے ہیں کہ جس شخص کو اس کا روزہ جھوٹ بولنے سے نہ روکے اللہ تعالیٰ کو کوئی حاجت نہیں کہ وہ اپنا کھانا پانی چھوڑے یہ مطلب نہیں کہ جو جھوٹ سے بچتا ہے اس کا روزہ کی اللہ میاں کو حاجت ہے اس لیے کہ ان کی شان تو ان اللہ لغنی عن العلمین[4]۔ ہے بلکہ مقصود ناراضی اور ناخوشی ظاہر کرنا ہے۔ پس جن کے یہاں رمضان المبارک دن کو اس شان سے آتا ہے سو یہ کیا آنا ہے۔ ہاں روپیہ میں سے آنہ[5] ہے اور رات کو تو پوچھو ہی مت رات کو تو شاذو

---

(۱) گالی گلوچ (۲) البقرہ آیت ۹۳ یہ افعال تو بہت برے ہیں جن کی تعلیم تمہارا ایمان تم کو کر رہا ہے (۳) قوت بہیمہ کا توڑنا (۴) اللہ تعالیٰ سب جہانوں سے بے نیاز ہے (۵) مطلب یہ ہے کہ جیسے روپے میں سے ایک آنہ کی کوئی قدر نہیں ایسے ہی اس کی بھی قدر نہیں

نادر ہی کسی کے یہاں آتے ہیں اس لیے کہ جو عبادت رمضان المبارک کی راتوں میں مقرر کی گئی ہے اس کے حقوق ادا کرنے والے بہت کم لوگ ہیں عموماً بوجھ سا ٹالتے ہیں۔

تراویح میں ہونے والی کوتاہیاں

چنانچہ تراویح کی وہ گت بنتی ہے کہ الہی توبہ، سب سے اول یہ کوشش ہوتی ہے کہ اذان سب سے پہلے کہی جاوے چنانچہ بعض مساجد میں تو عشاء کی اذان رمضان میں مغرب کے وقت ہوتی ہے عشا کا وقت آتا بھی نہیں اگر یہی بات ہے تو مغرب ہی کے وقت فارغ ہولیا کریں۔ کہیں تو یہ ستم ہے کہ اذان ہی بے وقت ہوتی ہے اور کہیں اس سے بڑھ کر یہ ہے کہ فرض بھی عشاء سے پہلے ہی ہوجاتے ہیں اور کہیں صرف اذان بے وقت ہوتی ہے اور بعض ان کے مقابل یہ زیادتی کرتے ہیں کہ وہ تاخیر کے دلدادہ ہیں۔ روزہ افطار کیا اور سو رہے اور مقتدی بچارے سو کر رہے ہیں۔ یہ زیادہ تر رؤسا کی مسجدوں میں ہوتا ہے کہ وہ رئیس ہیں ان کے ڈر سے کوئی بولتا نہیں جب تشریف لاتے ہیں اسی وقت نماز ہوتی ہے یاد رکھو اس سے تفریق و تنفیر[1] ہوتی ہے۔

نماز میں قراءات کی بہترین مقدار

حدیث شریف میں قصہ آیا ہے کہ حضرت معاذ بن جبلؓ ایک مسجد میں امام تھے۔ اول حضور اکرم ﷺ کے یہاں نفل کی نیت سے شریک ہوتے پھر وہاں جا کر نماز پڑھایا کرتے تھے ایک مرتبہ عشا کی نماز پڑھانے کے لیے گئے تو سورہ بقرہ

---

(۱) دوری اور نفرت پیدا ہوتی ہے

شروع کردی۔ ایک محلہ دار غریب دن بھر کی محنت مشقت سے تھکے ہوئے تھے وہ جماعت سے علیحدہ ہو کر اپنی نماز پڑھ کر چلے گئے۔ اس وقت جماعت کے ساتھ شریک نہ ہونا نفاق کی علامت سمجھا جاتا تھا۔

حضرت معاذ بن جبلؓ نے ان کو برا بھلا کہا صبح کو یہ مقدمہ حضور ﷺ میں پیش ہوا ان اصحابی نے حضرت معاذؓ کی شکایت کی کہ یا رسول اللہ ﷺ ہم مزدوری پیشہ لوگ ہیں دن بھر تو مزدوری محنت کرتے ہیں اور رات کو یہ سورہ بقرہ شروع کر دیتے ہیں حضور ﷺ نے حضرت معاذؓ پر عتاب فرمایا۔ اور فرمایا افتان انت یا معاذ ؟ یعنی اے معاذ کیا تم لوگوں کو فتنہ میں ڈالنے والے ہو؟ والشمس واللیل والتین پڑھا کرو فان فیھم الضعیف والسقیم وذا الحاجہ یعنی مقتدیوں میں ضعیف، بیمار، کاروبار والے آدمی ہیں۔ اس زمانہ میں ہم نے امام بہت دیکھے ہیں لیکن حضرت مولانا گنگوہیؒ کے برابر ہلکی اور پھر تمام ارکان کو کمال کے ساتھ نماز پڑھانے والا نہیں دیکھا۔ حضرت قرآن شریف ایسا پڑھتے تھے کہ سننے والے کو تاب نہ ہوتی تھی اور جی چاہتا تھا کہ سنے جائیں مگر عادت حضرت کی یہ تھی کہ فجر کی نماز میں سورۃ بروج، والطارق یا اذالشمس کورت واذا السماء انفطرت پڑھتے تھے۔ پس اس قدر تاخیر نماز میں کرنا یا قراءت اتنی لمبی پڑھنا جس سے نمازی بھاگ جائیں جائز نہیں ہے۔ بلکہ فقہا نے تو یہاں تک لکھا ہے کہ اگر کسی جگہ رمضان میں نمازی ایک قرآن ہی سننے سے اکتاتے ہوں تو وہاں تراویح الم تر کیف سے پڑھ لیں بعض حافظ ایسا ستم ڈھاتے کہ پانچ پانچ پارے پڑھ جاتے ہیں ان حفاظ کو مسائل جاننے کی سخت ضرورت ہے۔

تراویح پڑھانے والے کو مسائل سے واقف ہونا چاہیے

بعض حافظ بہت جاہل ہوتے ہیں۔ عجب نہیں بلکہ غالب ہے کہ سجدہ سہو کے مسائل کی بھی ان کو خبر نہ ہو۔ اور بعضے نا بالغوں کو تراویح میں امام بنادیتے ہیں۔ نابالغ کے پیچھے تراویح پڑھنے میں اختلاف ہے مختار اور مفتیٰ بہ یہی ہے کہ ناجائز ہے۔

اور میں تو یہ کہتا ہوں کہ جو بالغ تمیز دار نہ ہو اور مسائل سے واقفیت نہ رکھتا ہو اس کو بھی امام بنانا مناسب نہیں۔ امام یا تو عالم ہو یا علماء کا صحبت یافتہ ہونا چاہیے۔ اور اگر یہ دونوں امر[1] نہ ہوں تو وہ ضرور نماز کو خراب کرے گا۔

مجھے خواہ ایسا موقع پیش آیا ہے، گرمیوں کا رمضان تھے میں اور ایک میرا سامع تھا۔ ہم دونوں ایک مسجد میں قرآن سننے کے لیے گئے ان حافظ صاحب نے ایک رکعت میں آدھا پارہ گھسیٹا[2]، ان کو یاد تو رہا نہیں کہ ایک رکعت ہوئی یا دو، وہ ایک ہی رکعت پر بیٹھ گئے مقتدی بچارے تھکے ہوئے تھے، انہوں نے بھی غنیمت سمجھا۔ یا یاد نہ رہا ہو۔ کسی نے نہ بتلایا۔ میں نے اپنے سامع سے کہا کہ تم شریک ہو کر بتلادو۔ لیکن انہوں نے جلدی سے سلام پھیر دیا۔ میں نے پکار کر کہا، کہ حضرت ایک رکعت ہوئی ہے اعادہ کرو اور یہ قرآن جو تم نے پڑھا ہے اس کا بھی اعادہ کرو۔ اس وقت امام اور مقتدیوں میں خوب چخ چخ ہوئی۔

رکعتوں میں تناسب ہونا چاہیے

ان حفاظ کی ایک یہ بھی عادت ہے کہ اول کی رکعتوں میں بہت کھینچتے ہیں اور آخر کی رکعتوں میں دو دو تین تین آیتیں پڑھتے ہیں یاد رکھو کہ سب رکعتیں

---

(۱) یہ دونوں باتیں نہ ہوں (۲) آدھا پارہ تیز تیز پڑھا

اور سجدہ اور رکوع متناسب ہونے چاہئیں حدیث شریف میں حضور ﷺ کی نماز کے بارہ میں آیا ہے کان رسول اللہ قریباً من السواء یعنی حضور ﷺ کی نماز معتدل ہوتی تھی اگر قیام طویل ہوتا تھا تو سجدہ رکوع بھی اس کے مناسب ہوتا تھا اب لوگ اس کے برعکس کرتے ہیں کہ قیام طویل کرتے ہیں اور سجدہ ورکوع قعدہ نہایت ہی مختصر اس زمانہ میں تو بس تمام نماز مختصر پڑھنا چاہیئے۔

شبینہ کی ناپسندیدگی کیوجہ

اسی واسطے میں شبینہ کو بھی پسند نہیں کرتا۔ پہلے لوگ قوی ہوتے تھے اور نیز ان کو شوق بہت تھا۔ اب تو یہ حالت ہے کہ ایک جگہ شبینہ ہورہا تھا۔ ایک حافظ چارپائی پر لیٹے ہوئے بتلا رہے تھے۔ سب کی نماز تباہ ہورہی[1] تھی۔ کسی کی ہمت ہو خود پڑھو لوگوں کو کیوں دق کرتے ہو آج کل لوگ اس کا بالکل خیال نہیں کرتے۔

جوامام بنے تو مختصر نماز پڑھائے

کانپور میں ایک بزرگ تشریف لائے کہنے لگے کہ نماز جمعہ کی ہم پڑھائیں گے اور وہ خطبہ پڑھیں گے۔ جو حضور ﷺ نے اول قدم[2] مدینہ میں پڑھا تھا۔ چنانچہ انہوں نے ایک بڑا لمبا خطبہ پڑھا خطبہ کے بعد نماز شروع ہوئی تو انہوں نے سورہ قاف شروع کی گرمیوں کا موسم اور پھر مسجد ایسی کہ اس ہوا کا گذر نہیں ایک

---

(۱) اس لیے کہ جو آدمی نماز میں شریک نہیں ہے اگر امام کو بتائے اور امام اس کا لقمہ لے لے تو امام کی نماز ٹوٹ جائیگی اور جب امام کی نماز ہی نہ ہوئی تو باقی سب کی بھی نہ ہوئی (۲) پہلی مرتبہ مدینہ آنے

شخص کو تو قے ہو گئی اور ایک شخص نیت توڑ کر بھاگ گئے اور کہا کہ اسی واسطے تو ہم مسجد میں نماز پڑھنے نہیں آتے۔

ہمارے تھانہ بھون میں ایک شخص تھے وہ نماز نہ پڑھا کرتے تھے ایک مرتبہ میرے ساتھ ان کو سفر کا اتفاق ہوا راستہ میں عصر کی نماز کا وقت آیا میں نے ان کو تو کچھ کہا نہیں میں لوٹا لے کو وضو کرنے کے لیے گیا۔ دیکھتا ہوں کہ پیچھے میرے آرہے ہیں اور وضو کر کے میرے ساتھ انہوں نے نماز پڑھی پھر کئی روز میرے ساتھ رہے برابر نماز پڑھتے رہے اور کہنے لگے کہ مجھے اگر ایسا امام ملے تو میں نماز نہ چھوڑوں، میری نمازوں کی ترک کا بوجھ تو ان اماموں کی گردن پر ہے جو لمبی رکعتیں پڑھ کر گرانی پیدا کر دیتے ہیں۔

تراویح میں روزانہ قراءات قرآن کی بہترین مقدار

اے حفاظ اور اے اماموا اپنے مقتدیوں کو دیکھ لو کہ کیسے ہیں اگر واقعی ان کو قرآن سننے کا شوق ہو تو سبحان اللہ قرآن زیادہ پڑھو قرآن تو جس قدر بھی زیادہ ہو باعث نورانیت ہے اور اگر دیکھو کہ شوق نہیں ہے جیسا آج کل ہے تو بس سوا پارہ اچھی مقدار ہے اور بہتر یہ ہے کہ پندرہ پارہ تک تو سوا سوا پارہ پڑھو اور پھر ایک ایک پارہ کر دو ۲۷ کو ختم ہو جاوے گا۔ اور سب رکعتیں برابر برابر پڑھو۔ دیکھو تم کو ہر شے کے اندر تناسب اور حسن اچھا معلوم ہوتا ہے نماز تو احق ہے اس بات کے ساتھ کہ اس کو حسین کرو۔ داؤد علیہ السلام لوہے کی زرہیں بناتے تھے ان کو حق تعالیٰ نے حکم فرمایا "ان اعمل سابغات وقدر فی السرد"[1] یعنی اے داؤد پوری پوری زرہیں بناؤ۔ اور اس کے بنانے میں انداز رکھو یعنی کڑیاں

(۱) سورۃ سبا، آیت ۱۱

بڑی چھوٹی نہ ہوں، جبکہ لوہے کی زرہوں کے اندر تناسب کا حکم ہے تو اے صاحبو نماز تو بہت بڑی شے ہے۔ اس میں تناسب کیوں نہ مامور بہ ہوگا۔ اگر تم میں یہ رعایت تناسب طبعی نہ ہو تو ذکر اللہ کی کثرت کیا کرو۔ اس سے طبیعت میں نفاست اور اعتدال پسندی پیدا ہوجاوے گی اور ہر امر میں تناسب کی رعایت رکھنے لگو گے۔

مرزا صاحب کی لطیف مزاجی

حضرت مرزا مظہر جان جاناںؒ اگر کوئی بدنما مکان دیکھتے تھے تو سر میں درد ہوجاتا تھا۔ مرزا صاحب کی لطافت مزاج کی بہت حکایتیں ہیں۔ ایک حکایت مجھ کو اس وقت یاد آئی۔ ایک شخص مرزا صاحب کے یہاں آیا کرتے تھے وہ کھانا بہت کھاتے تھے ایک بار انہوں نے خود عرض کیا کہ مجھ کو کوئی حکم دیجیے۔ بہت اصرار کے بعد مرزا صاحب نے ان کو فرمایا کہ آپ ایک سال میں صرف ایک مرتبہ آیا کریں۔ اس لیے کہ جب آپ سوتے ہیں مجھ کو تمہارے زیادہ کھانے کا تصور ہو کر ثقل[۱] ہوجاتا ہے تو مجھ کو مسہل[۲] لینے کی ضرورت ہوجاتی ہے تو سال میں ایک مسہل[۳] کا تحمل ہوسکتا ہے، دوسرے تکلیف ہوتی ہے۔

ہر شئی میں تناسب ہونا چاہیئے

اسی طرح ہم نے اپنے حضرات کو دیکھا ہے کہ نہایت نفاست اور تناسب ہر شے کے اندر پسند کرتے ہیں اور راز اس میں یہ ہے کہ حدیث شریف میں آیا

---

(۱) طبیعت پر بوجھ ہوجاتا ہے (۲) دستوں کی دوا لینی پڑتی ہے تاکہ طبیعت کا بوجھ کم ہو (۳) اور سال میں صرف ایک دفعہ دستوں کا تحمل ہوسکتا ہے

ہے۔ ان اللہ جمیل یحب الجمال اور یہ حضرات موصوف ہوتے ہیں صفات حق سے اس لیے ان کو بھی جمال یعنی تناسب نہ کہ صورت پرستی ہر شئے میں پسندیدہ ہوتا ہے۔

حدیث شریف میں ہے افنیتکم ولا تشبھوا بالیھود یعنی اپنے گھروں کے صحن کو صاف رکھا کرو اور یہود کے مشابہ مت بنو۔ یہود اکثر میلے کچیلے رہا کرتے تھے۔

خوش لباس وزینت میں اعتدال ضروری ہے

حضور ﷺ نے ایک مرتبہ ایک شخص کو دیکھا کہ پریشان بال اور میلا کچیلا ہے۔ آپ نے اس حالت پر انکار فرما کر کنگھی اور تیل سے بالوں کے درست کرنے کا حکم فرمایا یہ کوئی تواضع نہیں ہے کہ آدمی میلا کچیلا رہا کرے اور نہ ایسی زینت پسندیدہ ہے کہ ہر وقت نواب اور بیگم بنا رہے۔ ایک شخص کو ہم نے دیکھا ہے کہ بہت ہی بنے ٹھنے رہتے تھے۔ اگر وہ گھر میں ہوتے تھے اور کوئی ان کو بلاتا تھا تو اول آئینہ کنگھا منگاتے تھے۔ بالوں میں کنگھا کرتے تھے۔ کئی کئی مرتبہ آئینہ دیکھتے تھے، غرض کم از کم ۱۵ منٹ میں وہ دولت خانہ سے برآمد ہوتے تھے بعض نوجوانوں کو میں دیکھتا ہوں کہ گرمیوں میں بھی جرابیں پہنتے ہیں۔ یہ اہل یورپ کی تقلید ہے۔ اتنا نہیں سمجھتے کہ وہ لوگ سرد ملکوں کے رہنے والے ہیں اس لیے اس کے مناسب ان کی وضع ہے۔ تم بھی اول اپنے گھروں میں سردی پیدا کرو۔ اس کو کشمیر بناؤ اس کے بعد جرابیں پہنو تو مضائقہ نہیں گرمیوں میں جرابین پہننے سے تو معلوم ہوتا ہے کہ ان لوگوں کے دماغوں میں خلل ضرور آگیا ہے۔ غرض نہ تو ایسی زینت کی ضرورت ہے اور نہ اس قدر میلے کچیلے بنے توسط اور

تناسب ہر شے میں بہتر ہے۔ اور لیجیے جماعت کے اندر تناسب کا حکم ہے کہ صف سیدھی ہو درمیان میں جگہ نہ چھوڑو میں تو یہ کہتا ہوں کہ شریعت کا کوئی حکم ایسا نہیں کہ جس میں تناسب ملحوظ نہ ہو۔ جب تناسب ہر امر میں مامور بہ ہے تو نماز کے اندر کیوں نہ ہوگا۔ تراویح اور غیر تراویح ہر نماز میں تناسب کی رعایت رکھو۔

لذت و کبر جڑ ہے ہر برائی کی

غرض رات کو رمضان اکثروں کے یہاں نہیں آتا اور اس تمام خرابی کا منشاء رمضان کے اسرار اور اس کے روح کا نہ جاننا ہے اس لیے ضروری ہوا کہ تزکیہ کے متعلق مضمون بیان کیا جاوے کہ اس کے ضمن میں رمضان کے روزہ کی حکمتیں بھی معلوم ہوں گی۔ پس جاننا چاہیئے کہ منشاء تمام تر معاصی[1] اور خرابیوں کا دو چیزیں ہیں اول لذت جس کو شہوت بھی کہہ سکتے ہیں۔ دوسرے کبر جس کو غضب سے بھی تعبیر کرسکتے ہیں یہ دونوں جڑ ہیں تمام مفاسد کی۔ پس ان دونوں سے تزکیہ نفس کا یعنی ان کی تعدیل ضروری ہے۔ شریعت نے ان ہی دو مرضوں سے تزکیہ کیا ہے اور تمام احکام ان ہی کے متعلق ہیں۔ اور سبحان اللہ ایسی خوبی سے معالجہ فرمایا ہے کہ کوئی حکم ان احکام میں ایسا نہیں ہے کہ ہمارے طبعی مذاق اور فطری جذبات سے بعید[2] ہو تمام احکام ایسے ہیں کہ ہماری طبیعت ان کو قبول کرتی ہے۔

حکمائے اشراقین کے مجاہدے

حکماء اشراقین نے بھی اخلاق رذیلہ سے تزکیہ کیا ہے لیکن انہوں نے اس

---

(۱) سب گناہوں کا منشاء۔ (۲) دور

کے لیے ایسے سخت مجاہدے کیے ہیں کہ ہر زمانہ میں انسان ان کا متحمل نہیں ہوسکتا۔ ترک لذات[۱] کے خاص خاص طریقے مقرر کیے اور ان کی عادت ڈالی اور نفس کو مہذب بنایا اور یہاں تک اس میں کمال پیدا کیا کہ آدمی کی تصویر دیکھ کر بتلادیا کرتے تھے کہ اس کے اطوار اخلاق کیا ہوسکتے ہیں۔ چنانچہ کسی اشراقی کے سامنے کسی حکیم کی تصویر پیش کی اس نے دیکھا کہ یہ شخص زانی ہے لوگ قہقہہ لگا کر ہنسے اور کہا بس جناب آپ کا ادراک معلوم ہوگیا۔ یہ تصویر تو فلاں حکیم کی ہے اور وہ بڑا عفیف و پارسا شخص ہے اشراقی نے کہا کہ اب تو میں نے کہدیا ہے خواہ اس کی تصویر ہو۔ یا کسی کی ہو چنانچہ لوگ اس کے پاس گئے اور اس سے کہا کہ تمہاری نسبت ایسا کہا گیا ہے۔ اس نے کہا واقعی اس کا تقاضا تو میرے قلب میں بہت ہے لیکن میں نے مجاہدہ ریاضت سے نفس کو قابو میں کرلیا ہے۔ صدور[۲] کبھی نہیں ہوا اس تقاضا ہی کا اس کو ادراک[۳] ہوا اس لیے کہ قیافہ سے مواد[۴] ہی کا ادراک ہوسکتا ہے افعال کا ادراک نہیں ہوتا۔

مجاہدے کی حقیقت

یہاں سے یہ بھی معلوم ہوا کہ مجاہدہ سے مواد خبیثہ بالکلیہ[۵] زائل نہیں ہوجاتے مغلوب ہوجاتے ہیں۔ سالک کو اس میں بڑا بڑا دھوکا ہوتا ہے جب اول ذکر کرتا ہے تو غلبۂ ذکر سے مواد مضمحل[۶] ہوجاتے ہیں تو یہ شخص سمجھتا ہے کہ میرے نفس میں سے وہ مواد جاتے رہے حالانکہ وہ موجود ہیں۔ لیکن چونکہ غلبہ

---

(۱) لذتوں کے چھوڑنے کے خاص خاص طریقے متعین کیے (۲) تقاضا، ہوتا ہے لیکن اس کا ارتکاب کبھی نہیں کیا (۳) اس تقاضے ہی کو اس نے محسوس کیا (۴) مادہ ہی کا ادراک ہوسکتا ہے (۵) خبیث مادہ بالکل نکل نہیں جاتا (۶) مادہ کمزور پڑجاتا ہے

دوسری شے کا ہے اس لیے وہ مدرک[۱] نہیں ہوتے اور جب وہ حالت غلبہ کی زائل ہوجاتی ہے اور پھر ان مواد کا ادراک ہوتا ہے تو اپنی حالت پر بہت افسوس کرتا ہے اور سمجھتا ہے کہ میں مردود ہوگیا ہوں حالانکہ یہ اس کی غلطی تھی وہ کیفیت جو زائل ہوگئی ہے اس کی مثال تو صبح کاذب[۲] کی سی ہے اور جو کیفیت اب پیدا ہوئی ہے وہ صبح صادق[۳] کے مثل ہے پس جو شخص صبح کاذب کو روشنی سمجھے گا وہ صبح صادق کی طرف ملتفت ہونے سے پہلے ضرور متاسف[۴] ہوگا کہ ہائے وہ روشنی کہاں گئی حالانکہ وہ روشنی نہ تھی روشنی تو اب آئی ہے مولانا فرماتے ہیں۔

اے شدہ تو صبح کاذب را رہین　　　صبح صادق راز کاذب ہم بہ بیں[۵]

آپ نے دیکھا ہوگا کہ درختوں پر اول جھوٹا پھول آتا ہے، پھر سچا پھول آتا ہے وہ مثمر[۶] ہوتا ہے اسی طرح ان کیفیات و حالات کا قصہ ہے کہ اول اول غلبہ ہوتا ہے تو سمجھتا ہے کہ میرے اندر سے امراض جاتے رہے اس کے بعد غلبہ جاتا رہتا ہے اور ایک ہلکی مگر پائدار کیفیت پیدا ہوتی ہے جس کی اس کو وقعت نہیں ہوتی اور وہ امراض جن کو یہ زائل سمجھتا تھا مدرک ہوتے ہیں کہ شہوت بھی ہے غضب بھی ہے بخل بھی ہے حرص بھی لیکن پہلے میں اور اس وقت میں فرق اس قدر ہوتا ہے کہ پہلے تو ان کے مقتضا پر عمل کرنے سے بچ نہ سکتا تھا اور اب بعد مجاہدہ کے بسہولت بچ سکتا ہے پہلے نفس کو روکتا تھا اور نہ رکتا تھا اور اب رک جاتا ہے

---

(۱) اس لیے ان کا احساس نہیں ہوتا (۲) صبح ہونے سے پہلے ایک روشنی افق پر طولاً نکلتی ہے پھر غائب ہوجاتی ہے جس سے شبہ ہوتا ہے کہ شاید صبح ہوگئی حالانکہ ابھی صبح نہیں ہوئی اسی لیے اس کو صبح کاذب یعنی جھوٹی صبح کہتے ہیں (۳) غرض ایک روشنی نکلتی ہے اور پھر پھیلتے پھیلتے دن نکل آتا ہے اسی کو صبح صادق یعنی سچی صبح کہتے ہیں اس کے بعد سحری وغیرہ کھانا منع ہے (۴) صبح صادق کی طرف متوجہ ہونے سے پہلے ضرور غمگین ہوگا (۵) اے وہ شخص کہ جو صبح کاذب ہی کو دیکھتا رہا اب ذرا صبح صادق کو بھی صبح کاذب کے مقابلہ میں دیکھ تاکہ تجھے دونوں کا فرق معلوم ہو (۶) سچے پھول پر پھل آتا ہے

بعینہ اس کی مثال شریر گھوڑے کی سی ہے کہ سدھانے سے پہلے تو وہ قابو سے باہر ہوجاتا تھا اور سوار کو بھی پٹک دیتا تھا اور بعد شائستہ ہونے کے گو گاہے شوخی کرتا تھا مگر تاہم قابو سے باہر نہیں ہوتا سوار اس کو جدہر چاہتا ہے موڑ دیتا ہے چون و چرا نہیں کرتا۔ یہی کیفیت نفس کی ہے دوسرے شے جس کے تزکیہ کی ضرورت ہے کبر تھی اس کے لیے وہ حکماء اسباب تذلل کو اختیار کیا کرتے تھے اور اس کی اعانت کے واسطے خلوت اور ترک اختلاط[۱] کرتے تھے اور اس میں بھی بہت مبالغہ کرتے تھے۔ اور اصل مقصود ان کا صرف یہی تہذیب نفس تھا۔

لذت و کبر کا علاج

شریعت نے بھی ان ہی دو خصلتوں کی تعدیل کی ہے اور اس کے لیے طرق ان حکماء کے طرق سے اسہل اور نفع میں اکمل تجویز کیے ہیں[۲]، چنانچہ ترک لذات کے لیے تو روزہ مقرر فرمایا جس کی حقیقت ترک اکل و شرب و جماع[۳] ہے اس لیے کہ امہات لذات[۴] یہی تین چیزیں جتنی لذات ہیں سب کا حاصل یہی ہیں ان کو روک دیا گیا اور سبحان اللہ کیا رحمت ہے کہ روزہ کو عبادت بنادیا اور اس پر انعام بھی تجویز فرمایا۔ مسہل ہم کو ہمارے امراض کے ازالہ کے لیے دیا جاوے اور اس پر انعام بھی مقرر فرماویں[۵]۔ پس جب اسباب لذات کو تیس دن انسان چھوڑے گا تو نفس کی سر کشی ضرور کم ہوگی اور مادہ عصیاں کا مغلوب ہوجائے گا[۶]۔

---

(۱) لوگوں سے ملنا چھوڑ دیتے تھے (۲) شریعت حکماء کے طریقہ سے آسان اور زیادہ نفع مند طریقہ متعین کیا ہے (۳) کھانے پینے اور جماع کو چھوڑنا (۴) لذتوں کی جڑ اور اصل (۵) مرض کو دور کرنے کے لیے دست آور دوا دیجائے اور اس پر انعام بھی دیا جائے (۶) گناہ کا مادہ مغلوب ہوجائیگا

شرعی مجاہدے کی خوبی

اور کیا رحمت ہے کہ مجاہدہ کے لیے ہماری عمر کا صرف بارہواں حصہ مقرر فرمایا اور حکماء برسوں ترک لذات سے مجاہدہ کرتے تھے جس کا اثر یہ ہوتا تھا کہ ضعیف الجسم[1] ہوجاتے تھے اور نسل ان کی منقطع ہوجاتی تھی۔ اور پھر اس میں خوبی یہ رکھی کہ وہ ایک ماہ بھی ایک ہی موسم میں متعین نہیں رکھا کبھی جاڑوں[2] میں اور کبھی گرمیوں میں آتا ہے تاکہ نرمی اور گرمی سے سب طرح مصالح مرعی[3] ہوں۔ غرض ایسا سہل اور لطیف مجاہدہ اور نفع میں ان کے مجاہدات سے کہیں زیادہ کہ سب کام کرتے رہو اور مجاہدہ بھی ہوتا رہے۔ بجز صاحب وحی کے اور کسی کی عقل یہاں تک نہیں پہنچ سکتی۔

دن میں روزہ مشروع ہونیکی وجہ

اور ایک اور رعایت عجیب و غریب یہ رکھی ہے، روزہ دن کو مقرر فرمایا تاکہ مجاہدہ کا فائدہ حاصل ہو اس لیے کہ مجاہدہ نام ترک عادت کا ہے اور کھانے پینے کی عادت اکثر دن کو ہے اگر یہ مجاہدہ رات کو ہوتا تو خبر بھی نہ ہوتی نہ کچھ نفس پر شاق ہوتا اور اگر حکماء و جوگیہ کی طرح شب و روز[4] کا روزہ ہوتا تو ضعیف ہو کر بالکل بیکار ہوجاتے اور قویٰ بیکار ہوجاتے اور شریعت کا مقصود قواء شہویہ[5] کے ازالہ نہیں بلکہ ان کی تعدیل[6] ہے اور نیز رات کو کھانے پینے کی اجازت دینے میں ایک اور دقیق رعایت ہے۔ وہ یہ ہے کہ اس صورت میں مجاہدہ اور مشقت بھی زیادہ ہے کیونکہ بعض لذات کے ایک دم سے چھوڑ دینے میں نفس کو اس قدر گرانی نہیں

---

(۱) جسم کمزور پڑجائے (۲) سردی میں (۳) نرمی گرمی میں ہر قسم کی مصلحت کی رعایت ہے (۴) رات دن کا (۵) قوۃ شہویہ کو زائل کرنا نہیں ہے (۶) بلکہ ان میں اعتدال پیدا کرنا ہے

ہوتی اس لیے کہ ایک دم سے سالہا سال کے لیے بعض لذات کے چھوڑ دینے میں نفس اسی کا خوگر[1] ہوجاتا ہے. بخلاف حالت موجودہ صوم کے کہ اس میں شب کو متلذذ[2] ہونے سے اس کو لذت یاد بھی رہتی ہے اور پھر ترک کرائی جاتی ہیں نفس پر یہ زیادہ بھاری ہے یہ وہ مجاہدہ ہے کہ جو حکماء کے باپ کو بھی نہیں سوجھا حکماء نے جو کچھ تجویز کیا تھا وہ بالکل ناتمام تھا شریعت نے اس کی تکمیل فرمائی ہے۔

مجاہدات حکماء کو بیان کرنیکی وجہ

مجھ کو اس کی کچھ ضرورت اس امر کی نہ تھی کہ حکماء کے مجاہدات اور تزکیہ کو میں ذکر کرتا اس لیے کہ شریعت کے مقابلہ میں ان کے خیالات کا تذکرہ ایسا ہی ہے جیسے آفتاب کے سامنے چراغ کا بلکہ اس سے بھی بدرجہا کم۔ لیکن وجہ ان کی تذکرہ کی یہ ہوئی کہ آج کل عقل پرست مخلوق بہت پیدا ہوئی ہے اس لیے میں دکھلاتا ہوں کہ روزہ وہ شے ہے کہ جس کی ضرورت کو امم ملیہ نے بھی تسلیم کرلیا ہے اور جس شخص نے اس کے راز کو سمجھ لیا ہو وہ اس سے دوسری جگہ بھی کام لے گا۔

نفس سے کام لینے کا طریقہ

پس جبکہ آپ حضرات نے روزہ کی حکم و مصالح سمجھ لیں تو اب اس کا بہت اہتمام کرنا چاہیئے۔ جو روزہ نہیں رکھتے ان کو رکھنا چاہیئے اور جو رکھتے ہیں اور اس کی حقوق کی رعایت نہیں رکھتے ان کو حقوق کی طرف توجہ کرنا چاہیئے اور نفس کو اس کے حال پر نہ چھوڑنا چاہیئے ایک ماہ کے لیے ہی اس سے صلح کرلو اور سمجھا دو

(۱) عادی (۲) رات کو لذت حاصل کرنے سے

کہ بس ایک ماہ تو اپنی خواہشات سے تائب ہوجا۔ ایک ماہ جب اس سے اس طرح کام لوگے تو انشاء اللہ کام کرنے کی عادت ہوجائیگی نفس کی مثال بچہ کی سی ہے جس طرف اس کو لگا، لگ جاتا ہے۔

والنفس کالطفل ان تهمله شب علی
حب الرضاع وان تفطمه ینفطم[1]

اس سے کام لیکر دیکھو، تم دیکھتے ہو کہ اتنے دنوں سے تم نماز روزہ کرتے ہو لیکن اثر کچھ نہیں آخر اس کی وجہ کیا ہے وجہ یہ ہی ہے کہ لاپروائی سے کام کرتے ہو یہ نیت نہیں ہے کہ نفس کو ہم عبادت کا خوگر بنادیں اب ایک ماہ ہی اس نیت سے کرلو۔ دیکھو تو کیا اثر ہوتا ہے۔ حق تعالیٰ نے نفقات کے بارہ میں یہی مضمون ارشاد فرمایا ہے ارشاد ہے۔

ومثل الذین ینفقون اموالهم ابتغاء مرضات الله و تثبیتاً من انفسهم[2] الخ

مال کے خرچ کرنے کی دو وجہ ارشاد فرمائیں اول تو اللہ تعالیٰ کی رضامندی کو طلب کرنا اور دوسرے اپنے نفس کو نیک کام پر جمانا پس اگر ہم اپنے ہر کام میں ان دونوں باتوں کی نیت رکھیں تو انشاء اللہ ہم کو یہ کہنے کا موقع نہ ہوگا کہ ہم اتنے دنوں سے روزہ نماز کرتے ہیں۔ دل میں اثر نہیں ہوتا اور اس کا نفع تم کو دنیا میں بھی ہوگا اور آخرت کے لیے تو یہ اعمال صالح پر استقامت[3] حاصل ہوجائے گی نفس کے اندر رسوخ پیدا ہوجائے گا جس کی نسبت کہا گیا ہے الاستقامة فوق الكرامة استقامة[4] اور ثبات بڑی شے ہے۔ حضرت عائشہؓ اسی کی

---

(۱) نفس کی مثال بچے کی سی ہے اگر دودھ نہ چھڑاؤ نہیں رہیگا اگر چھڑادو چھوڑ دیگا (۲) ان لوگوں کی مثال جو اپنے مال کو خرچ کرتے ہیں اللہ کی رضا کے لیے اور اپنے دل جمانے کے لیے (۳) مستقل مزاجی (۴) مستقل مزاجی سے عبادت کرنا کرامت سے بڑے درجہ کی چیز ہے

نسبت فرماتی ہیں **کان خلقه القرآن** یعنی حضور ﷺ کا خلق قرآن تھا یعنی قرآن پر عمل کرنا آپ کا فطری امر تھا۔

رمضان میں غذا کم کرنے کی ضرورت نہیں

اس کے بعد سمجھنا چاہیے کہ بعض بزرگوں نے لکھدیا ہے کہ نفع روزہ کا اس وقت ہے کہ اور ایام سے کم کھاوے ورنہ روزہ کا کوئی نفع نہیں۔ حالانکہ کتاب و سنت میں یہ مضمون کہیں نہیں ملتا۔ اگر روزہ کا نفع اسی پر موقوف ہوتا تو حضور ﷺ ضرور کہیں نہ کہیں فرماتے یا قرآن میں کوئی آیت اس کے متعلق ہوتی بلکہ فرمایا تو یہ فرمایا۔

كلوا واشربوا حتى يتبين لكم الخيط الابيض من الخيط الاسود من الفجر[1].

اس لیے کہ کم کھانا کوئی مجاہدہ نہیں بلکہ روزہ سے جو مجاہدہ ہوتا ہے وہ ترک عادت[2] کی وجہ سے ہے ہاں یہ ضرور ہے کہ پیٹ سے زیادہ نہ کھائے اور بالخصوص ہمارے زمانہ میں تو کم کھانا مفید کیا مضر ہے اس لیے کہ قویٰ ہیں کمزور۔

کثرت مجاہدے کی خرابیاں

اور نیز تعلق حسی بھی حق تعالیٰ کے ساتھ مخلوق کو اس طرح کا نہیں رہا جیسا پہلے تھا اس لیے زیادہ مجاہدہ کرنے میں کئی قسم کی خرابیوں کا اندیشہ ہے اول تو عجب[3] پیدا ہوگا، دوسرے یہ شخص اپنے کو مستحق سمجھے گا کہ میں اتنا مجاہدہ کرتا ہوں مجھ کو ضرور کچھ ملنا چاہیے۔ تیسرے ضعف[4] اس قدر ہوجائے گا کہ فرائض

---

(۱) کھاؤ اور پیو یہاں تک کہ صبح کی سفیدی رات کی سیاہی سے ممتاز ہوجائے (۲) عادت چھوڑنا (۳) بڑائی (۴) کمزوری

میں خلل آنے کا احتمال ہے کم کھانے اور کم پینے کے اندر قرب منحصر[1] نہیں نفس کو تنگ نہ کرو اس سے کام لو اور بعض بزرگوں نے جو نفس کو کافر کہا ہے سو یہ کافر کفر سے نہیں کفران سے ہے خوب کھاؤ پیو۔ اور کام بھی کرو۔ ی

کبر کا شرعی علاج

دوسرا رذیلہ[2] تھا کبر، اس اس سے جو مفاسد پیدا ہوتے ہیں اس کا اثر دوسروں تک پہنچتا ہے، اس کا حکماء نے یہ علاج کیا ہے کہ اسباب تذلل[3] کو اختیار کرتے تھے ایسے ایسے طریقے ایجاد کیے کہ جس سے لوگ ان کو چھوڑ دیں ذلیل سمجھیں جوگیوں اور بعض صوفیہ اہل اسلام نے بھی اس طریقہ سے اس مرض کا علاج کیا ہے لیکن شریعت نے ہم کو اس کے خلاف یہ تعلیم فرمایا ہے۔ **لا ینبغی للمومن ان یذل نفسہ** یعنی مومن کو مناسب نہیں ہے کہ اپنے نفس کو ذلیل کرے یعنی تذلل للمخلوق کو منع کیا ہے اور تذلل للخالق کی تعلیم فرمائی ہے۔ سبحان اللہ کیا اعتدال ہے۔

شبہ کا ازالہ

لیکن اس میں ایک بات شبہ کی ہے وہ یہ ہے کہ بڑے کے سامنے تو ہر شخص تذلل اختیار کرلیتا ہے کمال اور تواضع تو یہ ہے کہ اپنے کو چھوٹوں سے بھی ذلیل اور ہیچ سمجھے، جواب اس کا یہ ہے کہ جب خالق کے سامنے اپنا ہیچ[4] ہونا پیش نظر ہوگا تو اس کو لازم ہے کہ حق تعالیٰ کی عظمت اس کے قلب میں آوے

---

(۱) کم کھانے پر اللہ کا قرب موقوف نہیں (۲) دوسری خرابی (۳) ذلت کے اسباب اختیار کیے (۴) کمتر ہونا

گی۔ اور جب معرفت و عظمت حق تعالیٰ کی اس کو ہوگی تو چونکہ اپنے نفس کو حاجب[۱] اور مانع جانے گا اس لیے سب سے زیادہ ہیچ در ہیچ[۲] اپنے ہی کو جانے گا اور ہر ایک کو اپنے سے بہتر یقین کرے گا تو یہ مقصود بدون[۳] اس کے کہ مخلوق کے سامنے ذلت اختیار کرے حاصل ہوجاوے گا۔ پس ثابت ہوا کہ اس مقصود کے لیے صرف تذلل للخالق کافی ہے۔

نماز سے عاجزی پیدا ہوتی ہے

اور اس تذلل للخالق کے واسطے ہم کو شریعت نے نماز تعلیم فرمائی ہے کہ اس کا خاصہ ہے کہ انسان کو اپنا عجز پیش نظر ہوجاتا ہے اس کہ اس میں حکم ہے کہ اشرف الاعضاء کو اذل الاشیاء کے سات ملاصق کرو[۴] اور یہ قاعدہ ہے کہ ظاہر کا اثر باطن پر پڑتا ہے جب یہ شخص اپنے سر کو جو کہ اشرف الاعضاء ہے زمین پر رکھے گا تو ضرور اس کے اندر سے کبر کم ہوگا اور تواضع اور مسکنت پیدا ہوگی نماز کے اندر عجیب خاصیت ہے اور اس کو بڑا دخل ہے حق تعالیٰ کی معرفت اور قرب کے حاصل ہونے میں۔ اور جب حق تعالیٰ کی عظمت پیش نظر ہوگی تو اپنا ہیچ[۵] ہونا پیش نظر ہوجائے گا اور دوسرے کی طرف التفات بھی نہ ہوگا ایسی مثال ہے جیسے ہاتھی کے سامنے مثلاً دو چیونٹیاں ہوں تو اس کے سامنے ہوتے ہوئے ایک چیونٹی دوسری کو نظر بھی نہ آوے گی یا مثلاً ویسرائے[۶] کسی جگہ آجاوے تو تحصیلدار بچارہ دکھلائی بھی نہ دے گا اور نہ وہ تحصیلدار کسی دوسرے تحصیلدار کو حقیر یا عظیم سمجھے گا۔

---

(۱) رکاوٹ (۲) سب سے کمتر (۳) بغیر (۴) اعضائے انسانی میں سب سے افضل عضو سر کو سب سے ذلیل و پست چیز یعنی زمین سے ملادو (۵) کمتر ہونا (۶) یا مثلاً صدر آجائے

ارکان نماز میں ہمارے مذاق کی رعایت ہے

اور پھر ہیئت تذلل[1] ہی پر اکتفا نہیں کیا گیا بلکہ اس کے اندر اپنے ساتھ ہمکلامی[2] کی بھی اجازت دی ہے ورنہ اگر یہ حکم ہوتا کہ سر جھکا کر بس کھڑے رہو تو نرا مجاہدہ ہی ہوتا اب مجاہدہ بھی ہے اور لذت بھی اور پھر اول سے آخر تک ایک ہیئت نہیں[3] بنائی بلکہ اس کو مختلف افعال سے مرکب بنایا ہے۔ قیام،[4] رکوع، سجدہ، قومہ[5]، جلسہ[6]، قعدہ[7] تاکہ نشاط[8] رہے اگر مثلاً سجدہ ہی ہوتا یا رکوع ہی ہوتا تو نفس اکتا جاتا سبحان اللہ ہمارے مذاق کی کیا رعایت فرمائی ہے بخلاف حکماء کے مجاہدوں کے کہ وہ ایسے سخت سخت مجاہدہ کرتے تھے کہ ہر شخص سے وہ نبھ نہیں سکتے۔

تراویح غیر رمضان میں کیوں فرض نہیں

اب ایک شبہ رہا وہ یہ ہے کہ جب تراویح مجاہدہ ہے تو جیسے رمضان میں مشروع[9] فرمایا اور دنوں میں بھی مقرر فرمادیتے جواب یہ ہے کہ اگر اور دنوں میں نماز نہ ہوتی تو بیشک اس کی شان اسی کو مقتضی[10] تھی کہ فرض ہوتی چنانچہ حدیث میں آیا بھی ہے کہ حضور ﷺ نے کئی روز رمضان میں قیام لیل فرمایا اور تیسرے روز یا چوتھے روز آپ تشریف نہ لائے اور یہ فرمایا کہ مجھے خوف ہوا کہ کہیں یہ فرض نہ ہوجائے اس لیے میں نہیں آیا لیکن اور دنوں میں بھی فرض نمازیں مقرر ہیں جو مجاہدہ کے لیے کافی ہیں اس لیے رمضان ہی میں اس کو رکھا گیا اور سنت

---

(۱) ذلت والی شکل بنانے پر ہی اکتفا نہیں کیا (۲) اپنے ساتھ باتیں کرنے کی بھی اجازت دی (۳) ایک ہی شکل نہیں بنائی (۴) سیدھا کھڑے ہونا (۵) رکوع سے اٹھ کر کھڑے ہونا (۶) دونوں سجدوں کے درمیان بیٹھنا (۷) التحیات میں بیٹھنا (۸) تاکہ ان حالتوں کے تغیر سے طبیعت خوش رہے (۹) جیسے رمضان میں ادائیگی کا حکم فرمایا (۱۰) اسی بات کا تقاضا کرتی ہے

موکدہ بنادیا گیا الحاصل ترک لذات کے لیے روزہ اور علاج کبر کے لیے نماز شریعت نے مجاہدہ مقرر فرمائے۔

اعتکاف مقرر ہونے کی وجہ

اب تیسری شے تھی خلوت جو ان کی معین[۱] ہے حکماء کے یہاں تو برسوں بلکہ عمر بھر کی خلوت[۲] تھی ظاہر ہے کہ اس میں سخت حرج ہے اور تعلقات اور تمدن کی بیخ[۳] کنی ہے شریعت نے سبحان اللہ اس میں عجیب رعایت رکھی ہے صرف دس دن کی خلوت مقرر[۴] فرمائی اور اس کا نام اعتکاف رکھا اور اس میں بھی یہ نہیں کیا کہ بالکل کسی سے نہ بولو نہ ملو بلکہ اس کا ایسا اچھا طریقہ بتلادیا کہ اس میں خلوت کا جو نفع[۵] ہے وہ بھی باقی رہے اور جو لوگ وہاں آویں ان سے ملنے میں کچھ حرج بھی نہ ہووہ یہ ہے کہ یہ تعلیم فرمایا کہ اعتکاف مسجد کے سوا کہیں اور جائز نہیں۔ اب ظاہر ہے کہ مسجد میں اپنے ہم جنس ہی آویں گے اور بچنا اغیار سے مطلوب ہے۔ ہمارے حضرت حاجی صاحب فرمایا کرتے تھے خلوت از اغیار نہ از یار[۶] پس خلوت ان لوگوں سے ہے جو رہزن ہیں دین[۷] کے باقی جو دین میں معین[۸] ہیں ان کے پاس بیٹھنا تو خلوت سے بہتر ہے۔ ایسی جلوت کو خلوت پر ترجیح ہے مولانا نے عجیب لطیفہ لکھا ہے وہ فرماتے ہیں کہ اے عزیز تو جو خلوت کو مطلقاً جلوت[۹] پر ترجیح دیتا ہے اور اس کے فضائل بیان کرتا ہے یہ

---

(۱) تیسری چیز تنہائی ہے جو ان سابقہ مجاہدوں کے لیے معاون ہے (۲) تنہائی (۳) تعلقات اور میل جول کو جڑ سے اکھاڑ پھینکنا ہے (۴) صرف دس روز کی تنہائی مقرر فرما کر اس کا نام اعتکاف رکھا (۵) تنہائی کا فائدہ (۶) غیروں سے علیحدگی ہو دوستوں سے نہ ہو (۷) دین کے چوروں سے علیحدگی و تنہائی اختیار کی جائے (۸) جو دین میں مددگار ہیں ان کے پاس بیٹھنا تنہا بیٹھنے سے بہتر ہے (۹) اے عزیز تو جو تنہائی کو میل جول پر ترجیح دیتا ہے

بھی تو تجھ کو جلوت ہی کے بدولت علم [۱] ہوا ہے پھر وہ جلوت پر مطلقاً کیسے راجح ہو سکتی ہے۔

دس دن کا اعتکاف ہزاروں ماہ کی خلوت سے بہتر ہونیکی وجہ

اور پھر وہ دس دن کا اعتکاف ایسے دنوں میں رکھا ہے کہ اس عشرہ میں ایک رات ہزار مہینوں سے بہتر ہے یعنی ہزار مہینے اگر ریاضت مجاہدہ کرے تو وہ بات نصیب نہیں ہوتی جو اس ایک رات میں ہوجاتی ہے وہ دیکھیے خلوت کے ایام گو کم تھے مگر اس کا تدارک اس طرح کردیا گیا۔ یہ محض تائید غیبی ہے اور نور وحی سے ہی اس کا ادراک [۲] ہوسکتا ہے حکماء کو یہاں تک کہاں رسائی ہوسکتی ہے یہ حضور ﷺ کی برکت ہے کہ ہم کو ایسا راستہ بتلایا کہ جو بہت آسان اور نفع میں سب راہوں سے بڑھ کر، یہ صاحبو غضب ہے کہ ہم اس کی قدر نہ کریں اور اس سے منتفع [۳] نہ ہوں یہ طریقہ ہے جس سے تزکیہ نفس و تہذیب نفس ہوتی ہے اور جس پر فلاح کا وعدہ ہے۔ اب اللہ تعالیٰ سے دعا کیجیے کہ ہم کو توفیق عطا فرماویں۔

آمین

---

(۱) خلوت کی فضیلت علماء سے میل جول کرنے ہی سے تو معلوم ہوئی پس مطلق خلوت (تنہائی) جلوت (میل جول) سے بڑھ کر نہیں ہوسکتی (۲) وحی کے نور سے آدمی یہ بات محسوس کرسکتا ہے (۳) فائدہ نہ

دینی تعلیم و تربیت کی اہمیت

نظر کردہ محی السنۃ حضرت اقدس شاہ مولانا ابرار الحق صاحب دامت برکاتہم

ہمارے ملک میں چھوٹے بڑے دینی مدارس و مکاتب کا ایک سلسلہ قائم ہے، جو کہ قناعت و استغنا اور توکل علی اللہ کو اپنا سرمایہ بنائے ہوئے دینی تعلیم و تربیت کے اہم کام میں مصروف ہیں۔ ان مدارس نے دین اسلام کا اس کے مزاج و کردار اور پوری خصوصیات کے ساتھ صرف تحفظ ہی نہیں کیا بلکہ ملت کے کروڑوں افراد اور ان کی آنے والی نسلوں کی حیات ایمانی اور اسلامی تہذیب و تمدن سے وابستگی میں جو نمایاں کردار ادا کیا ہے وہ تاریخ کا ایک زریں باب ہے۔ اس کے باوجود ایک طبقہ ایسا ہے جو دینی مدارس کی افادیت کا قائل نہیں ہے، ساتھ ہی ان کے وجود کو غیر ضروری سمجھتا ہے چنانچہ اس کی یہ کوشش رہتی ہے کہ ان مدارس و مکاتب کو جدید تعلیم کے لئے استعمال کیا جائے جو کہ ملک و ملت کے حق میں مفید ہوگا۔

اس سلسلہ میں حکیم الامت مجدد الملت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی نور اللہ مرقدہ کا درج ذیل ارشاد گرامی مشعل راہ ہے۔

"اس میں ذرا شبہ نہیں کہ اس وقت علوم دینیہ کے مدارس کا وجود مسلمانوں کے لئے ایسی بڑی نعمت ہے کہ اس سے فوق متصور نہیں۔ دنیا میں اگر اسلام کی بقا کی کوئی صورت ہے تو یہ مدارس ہیں کیونکہ اسلام نام ہے خاص عقائد و اعمال کا جس میں دیانت، معاملات، معاشرات اور اخلاق سب داخل ہیں اور ظاہر ہے کہ عمل موقوف ہے علم پر اور علوم دینیہ کی بقا ہر چند کہ فی نفسہ مدارس پر موقوف نہیں مگر حالات وقت کے اعتبار سے ضرور مدارس پر موقوف ہے۔

ایک اور موقع پر فرماتے ہیں کہ:

"مدارس اسلامیہ میں بے کار پڑے رہنا بھی انگریزی میں مشغول ہونے سے لاکھوں کروڑوں درجہ بہتر ہے اس لئے گو لیاقت اور کمال حاصل نہ ہو لیکن کم از کم عقائد تو خراب نہ ہوں گے اور مسجد کی جاروب کشی اس وکالت اور بیرسٹری سے بہتر ہے جس میں ایمان میں تزلزل ہو اور خدا اور رسول ﷺ صحابہ اور بزرگان دین کی شان میں بے ادبی ہو جو انگریزی کا اس زمانہ میں اکثر یہی بلکہ لازمی نتیجہ ہے ہاں جس کو دین ہی کے جانے کا غم نہیں وہ جو چاہے کہے اور کرے۔

مجلسِ صیانۃ المسلمین پاکستان کا ماہانہ جریدہ

الصیّانہ کا تعارف

الصیانۃ مجلسِ صیانۃ المسلمین پاکستان کا ترجمان ہے مجلس کے بانی حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ہیں!

الصیانۃ سلف صالحین کے علوم و فیوض کا ترجمان ہے!

الصیانۃ باطل ظلمتوں میں روشنی کا مینار ہے!

الصیانۃ میں وہ مضامین شائع کیے جاتے ہیں جن کی عموماً مسلمانوں کے ہر طبقے کو دینی لحاظ سے ضرورت ہے اور ان کا فائدہ عام ہے۔

الصیانۃ میں وہ مضمون شائع ہوگا جو شرعاً مستند ہوگا۔

الصیانۃ بفضلہٖ تعالیٰ پاکستان کے علاوہ دیگر ملکوں، انڈیا، افریقہ، سعودی عرب انگلینڈ، بنگلہ دیش اور فرانس بھی جاتا ہے۔

الصیانۃ میں اشتہارات دے کر آپ مجلس اور صیانۃ کی دینی اور تبلیغی جدو جہد میں موثر حصہ لے سکتے ہیں۔

الصیانۃ مولانا وکیل احمد صاحب شیروانی کے زیر ادارت ہر ماہ عیسوی کی ۱۵ تاریخ کو شائع ہوتا ہے۔

سالانہ چندہ /۱۲۰ روپے۔ فی پرچہ /۱۲ روپے

مجلس صیانۃ المسلمین پاکستان معہ جامع اشرفیہ فیروز پور روڈ۔ لاہور
فون ۴۲-۷۵۸۱۵

سلام

مسجد نبوی کے ہر دیوار و ہر در کو سلام
گنبد خضرا کو اور محراب و منبر کو سلام

مئذنہ کو خوخۂ صدیق اکبر کو سلام
روضۂ جنت کی بوئے مشک و عنبر کو سلام

سامنے آکر مواجہ میں پیمبر کو سلام
پھر ابوبکر و عمر کی روح اطہر کو سلام

صفۂ اصحاب کو اور خوخۂ جبریل کو
اور پسِ محراب حنانہ کے منظر کو سلام

وہ ریاض الجنۃ کے سب اسطوانات کریم
ان کی عظمت کو سلام، ان کے مقدر کو سلام

مسجد نبوی کے صدقے اس مقدس شہر کے
ہر گلی کوچے کو ہر دیوار و ہر در کو سلام

یہ مدینہ رحمتوں کا بحر نا پیدا کنار
رحمت للعلمین کے اس سمندر کو سلام

جس زمین کو تیری پابوسی کا حاصل ہو شرف
اس زمین کے ذرہ ذرہ کے مقدر کو سلام

یہ جو خوابیدہ ہیں عارفؔ زیر آغوش اُحد
اُن شہیدانِ اُحد کی روح اطہر کو سلام

مشرف علی عارف تھانوی غفراللہ